مبدء و معاد

قیوم اول حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی سرہندی رضی اللہ عنہ

ترتیب و ترجمہ

پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی صاحب

مکتبہ نبویہ ○ لاہور

مبدؤ و معاد

حضرت شیخ احمد مجددِ الفِ ثانی سرہندی قدس سرہ

— ترتیب و ترجمہ —

پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی صاحب

مکتبہ نبویہ
گنج بخش روڈ ○ لاہور

نام کتاب	:	مبدء المعاد
موضوع کتاب	:	سالک کی تربیت
مولف	:	حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمتہ اللہ علیہ
مرتب	:	حضرت مولانا محمد صدیق بدخشی ملقب "ہدایتہ"
مترجم	:	پیرزادہ اقبال احمد فاروقی
زیر اہتمام	:	قاری محمد امیر عالم نقشبندی ادارہ تعلیمات مجددیہ لاہور
سال طباعت ترجمہ	:	1996ء
ناشر	:	مکتبہ نبویہ۔ گنج بخش روڈ لاہور
قیمت	:	36 روپے

فہرست مضامین ـــ مبداء المعاد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

پیرزادہ اقبال احمد صاحب فاروقی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم والسلام علی حبیبہ و علی الہ و اصحابہ اجمعین ○

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ نے اپنے تحریری مقالات سے اپنے معاصرین کو جس انداز سے دعوت فکر دی اس پر دنیا بھر کے اہل علم و فضل نے ہدیہ تحسین پیش کیا ہے۔ آپ کے مکتوبات نے خصوصی طور پر اسلامی معاشرے کی اصلاح اور بیداری میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ آپ کے سیاسی ' معاشرتی ' دینی ' روحانی اور علمی خیالات سے ایک جہان متاثر ہوا ہے۔ آج ہم جس کتاب کو ناظرین کے مطالعہ کی نذر کر رہے ہیں اس کا نام "مبداء المعاد" ہے اور کتاب حضرت مجدد الف ثانی کے کشفیہ علوم اور روحانی معارف پر مشتمل ہے۔ تاریخی اعتبار سے اس کتاب کے موضوعات وہ ہیں جنہیں آپ نے ۱۰۰۸ھ سے ۱۰۱۸ھ کے دوران مختلف اوقات میں قلبند کیا تھا۔ پھر انہیں آپ کے ایک مرید اور خلیفہ حضرت مولانا محمد صدیق بدخشی ملقب بہ ہدائیہ رحمتہ اللہ علیہ نے ۱۰۱۹ھ میں مرتب کیا۔ گویا یہ مقالات حضرت مجدد الف ثانی کی دس سالہ زندگی کے روحانی تجربات ہیں جسے فاضل مرتب نے اکٹھے موضوعات کا ایک مجموعہ بنا کر تیار کر دیا اس طرح حضرت مجدد الف ثانی کی تحریروں کے مختلف اوراق سے ایک کتاب کی صورت بن گئی "مبداء المعاد" کے مضامین کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ موضوعات حضرت مجدد الف ثانی کے ان روحانی تجربات کی سرگذشت ہے جسے آپ نے سلوک کی منزلیں طے کرتے وقت قلبند کیا تھا۔ ہم اس کتاب کی تحریر سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی کے میدان تصوف میں تدریجی مدارج ' حضرت خواجہ باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ کی تربیت میں حاصل ہونے والے مقامات ' حضرت باقی باللہ سے قلبی روابط اور ان کے زیر تربیت رہتے ہوئے

آداب اور عقیدت پر عمل پیرا ہو کر شیخ کی گراں قدر ہدایات کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا ہے ۔ پھر ایک سالک طریقت کی ذمہ داریوں کی اہمیت اور ضرورت بھی واضح ہو جاتی ہے ۔ حضرت مجدد الف ثانی کی اس کتاب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سالک طریقت مختلف مقامات سے گزرتا ہے تو اسے کن کن حالات و احوال کا سامنا ہوتا ہے ۔ آپ نے ایک زیر تربیت سالک کی رہنمائی کے لئے بڑے لطیف اشارے کئے ہیں اور بڑے اسرار و رموز کی نقاب کشائی فرمائی ہے ۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب سالکان راہ طریقت کی رہنمائی کا ایک مستند ذریعہ ہے ۔

حضرت مجدد الف ثانی ۹۷۰ھ میں پیدا ہوئے ۔ ظاہری علوم پر عبور حاصل کرنے کے بعد اپنے والد ماجد حضرت مخدوم شیخ عبدالاحد قدس سرہ سے روحانی فیض حاصل کیا اور سلسلہ چشتیہ میں اپنے والد مکرم سے ہی خلافت حاصل کی ۔ مگر جب آپ سرہند سے دہلی آئے تو ان دنوں حضرت خواجہ باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ کی روحانی شہرت نے اہل دہلی اور اکناف دہلی کو متاثر کر رکھا تھا ۔ حضرت خواجہ باقی باللہ سے ملاقات کے چند روز بعد ہی حضرت مجدد الف ثانی نے بیعت کی استدعا کی جسے حضرت خواجہ نے قبول فرماتے ہوئے آپ کو سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کر لیا ۔ پھر پہلی فرصت میں ذکر قلبی سے آشنا کر کے آپ کے دل کو ذاکر بنا دیا ۔ تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت باقی باللہ آپ کو ان مقامات سے گزارتے رہے جو ایک سالک کے لئے ضروری ہوتے ہیں ۔ پھر ایک وقت آیا کہ خود حضرت باقی باللہ کو آپ کی علوہمتی اور روحانی استعداد پر رشک آنے لگا ' اس رشک پر حضرت باقی باللہ کو فخر بھی تھا اور نسبت نقشبندیہ کو ایک قابل ترین سالک کے حوالے کرنے پر ناز بھی تھا ۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے شیخ کے زیر تربیت رہ کر سلوک کے ایسے بلند مقامات پر قدم رکھا جہان دنیا تصوف کے شاہسوار آپ کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتے تھے ۔

در جستجوے ما نکشی زحمت سراغ
آنجا رسیدہ ایم کہ عنقا نمی رسد

حقیقت یہ ہے " مبداء المعاد " ایک زیر تربیت سالک کی رہنمائی کے لئے بے مثال کتاب ہے اور سلوک کے مدارج اور منازل طے کرنے کے لئے اس سے روشن تر مشعل

راہ مشکل ہی سے ملے گی ۔ حضرت مجدد الف ثانی کی روحانی تربیت میں حضرت خواجہ باقی باللہ نے جس جانفشانی سے حصہ لیا اور حضرت مجدد الف ثانی نے جس راہ سلوک پر چلنے کے لئے دن رات ایک کر دیا وہ حضرت مجدد الف ثانی کا ہی حوصلہ ہے ۔ اس روحانی سفر سے حضرت مجدد الف ثانی کے روحانی تجربات پر روشنی پڑتی ہے ' ہم اس مقام پر ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب ایم اے پی ایچ ڈی کی تحریر کا ایک مفصل جائزہ پیش کرتے ہیں جو قارئین کتاب کے مطالعہ کے لئے نہایت ضروری ہے ۔ 7

....

اگرچہ اس کتاب کی تالیف و تصنیف کا مقصد صرف سلسلہ نقشبندیہ سے وابستہ حضرات کی رہنمائی ہے مگر اس سے دوسرے مسالک روحانیت کے لوگ بھی پوری طرح سے رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں ۔ " مبداء المعاد " کی تصنیف سے پہلے حضرت مجدد الف ثانی کی کئی کتابیں اہل علم و تصوف کے سامنے آچکی تھیں مگر اس کتاب کا انداز منفرد اور جداگانہ ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ " مبداء المعاد " پہلی کتاب ہے جو آپ نے سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت باقی باللہ سے بیعت ہونے کے بعد روحانی مشاہدات و منازل طے کرتے وقت لکھی تھی ۔ اس سے پہلے جب آپ سلسلہ چشتیہ میں اپنے والد مکرم کے زیر تربیت تھے تو آپ کی چند کتابیں سامنے آچکی تھیں جس میں " **اثبات النبوت** " (**تحقیق النبوت**) ۹۹۰ھ میں لکھی گئی ۔ رسالہ **تحلیلیہ** (۱۰۰۷ھ یا ۱۰۱۰ھ) رد روافض (۱۰۰۲ھ) شرح رباعیات خواجہ باقی باللہ (۱۰۱۲ھ) اور معارف لدنیہ (علوم الہامیہ) (۱۰۱۵ھ یا ۱۰۱۴ھ) میں مکمل ہو چکی تھیں ۔

زیر نظر کتاب " مبداء المعاد " سب سے پہلی کتاب ہے جسے حضرت مجدد نے ان ایام میں لکھا جن دنوں آپ حضرت خواجہ باقی باللہ کے زیر تربیت تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کی تمام تصانیف میں سے جس کتاب سے سب سے پہلے سلسلہ نقشبندیہ کے طریقہ سلوک پر روشنی پڑتی ہے وہ یہی کتاب ہے ۔ حضرت مجدد الف ثانی کی تصانیف پر تحقیقی کام کرنے والے حواشی و **تعلیقات** لکھنے والے اور اس موضوع کے سکالرز کے نتائج فکر کی روشنی میں ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ " مبداء المعاد " سب سے پہلے عربی ترجمہ شیخ مراد مکی رحمتہ اللہ علیہ (خلیفہ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمتہ اللہ علیہ) نے کیا تھا ۔ اور یہ کتاب

حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کے عربی ترجمہ " الدرر المکنونات النفیسہ مطبوعہ ۱۳۱۶ھ " کے حاشیہ پر سب سے پہلی بار سامنے آئی ۔ حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کا عربی ترجمہ سب سے پہلے مکہ مکرمہ میں چھپا تھا ۔ برصغیر پاک و ہند میں سب سے پہلے فارسی زبان میں " مبداء المعاد " ۱۳۰۷ھ میں مطبع انصاری دہلی میں چھپی ۔ پھر ۱۳۲۰ھ میں مولانا نور احمد امرتسری قدس سرہ نے اپنی نگرانی میں مکتبہ مجددی امرتسر سے چھپوائی ۔ اسی ایڈیشن کی دوبارہ طباعت حکیم عبدالمجید سیفی مرحوم نے ۱۳۷۶ھ میں لاہور سے کی (ترجمہ کرتے وقت یہی نسخہ ہمارے زیر نگاہ رہا) پھر یہی کتاب ۱۳۸۵ھ میں ادارہ سعدیہ مجددیہ لاہور نے زیور طبع سے آراستہ کی " مبداء المعاد " کا سب سے آخری نسخہ جسے سید زوار حسین شاہ نے ۱۳۸۸ھ کراچی کے ادارہ مجددیہ کراچی سے فارسی اردو ترجمہ یکجا طبع کرایا تھا ۔ یہ نسخہ ایک مجددی بزرگ سید عاشق حسین شاہ مجددی سجادہ نشین سرہند شریف کے ذاتی کتب خانے سے ہمیں ملا جس سے ہمیں ترجمہ کرنے میں آسانی ہو گئی ۔ " اللہ والوں کی قومی دکان لاہور " نے " مبداء المعاد " کا ایک ترجمہ شائع کیا تھا مگر یہ نسخہ ہماری نظر سے نہیں گزرا ۔ واقفان تصانیف مجددیہ کے مطابق یہ ترجمہ مولانا احمد علی صاحب بٹالوی رحمتہ اللہ علیہ نے سب سے پہلے کیا تھا ۔

ہماری یہ نارسائی کی داستان ہے کہ ہم ترجمہ کرتے وقت " مبداء المعاد " کے مختلف مطبوعہ ایڈیشن قلمی اور خطی نسخوں کو سامنے رکھنے کی سعادت حاصل نہیں کر سکے ، البتہ ہمیں استنبول کے ایک مجددی بزرگ حسین حلمی بن سعید استنبولی کا ۱۳۹۸ھ کا مطبوعہ نسخہ ہماری نظروں کے سامنے رہا ، یہ نسخہ نئی کتابت تو نہیں غالباً ادارہ مجددیہ کراچی کے مطبوعہ نسخے کا عکس تھا ۔ ہمیں اس اعتراف سے شرمانے کی قطعاً ضرورت نہیں کہ ہم سلسلہ مجددیہ کے محققین کی طرح ترجمہ کرتے وقت ملکی اور غیر ملکی لائبریریوں میں پڑے ہوئے مختلف مطبوعہ اور قلمی نسخوں کے حوالوں اور موازنوں کو بروائے کار نہیں لا سکے ۔ پھر مقامات سلوک سے عملی ناشناسی کی وجہ سے حضرت مجدد الف ثانی کے ان بلند پایہ علمی اور روحانی نکات کی وضاحت کرنے سے بھی قاصر رہے ہیں جن کا سمجھنا سالکان طریقت کا ہی حصہ ہے ۔ باین ہمہ ہمیں یہ سعادت حاصل ہوئی ہے کہ سلسلہ مجددیہ کی ایک اہم کتاب کو آج کی دنیائے علم کے سامنے لانے کا اہتمام کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں ۔

اس ترجمہ کی تحریک ادارہ تعلیمات مجددیہ شادمان لاہور کے بانی حضرت مولانا قاری محمد امیر عالم صاحب نقشبندی مجددی مدظلہ العالی کے ذوق و شوق کی مرہون منت ہے جنہوں نے میری مصروفیتوں کے باوجود خاموش نہ بیٹھنے دیا ہم نے اس ترجمہ کا ابتدائیہ یا افتتاحیہ لکھنے کے لئے ملک کے نام ور نقشبندی اور مجددی ارباب و علم فضل سے فرمائش کی بلکہ اصرار کیا مگر ان حضرات تک ہماری کمزور استدعا کارگر نہ ہو سکی اور وہ اپنے بلند مقامات سے نیچے جھانک کر ہماری امداد نہ کر سکے ۔ یہ ہماری " کم نصیبی " تھی اور ان حضرات کی " بے نیازی " کا نتیجہ تھا کہ ہمیں خود ہی دیباچہ لکھنا پڑا ۔ اگر یہ بزرگ چند الفاظ لکھ دیتے تو ہمارے ترجمہ کے عیوب پر پردہ پڑ جاتا ۔

ہم حضرت مولانا قاری محمد امیر عالم نقشبندی مجددی کے تہہ دل سے ممنون ہیں کہ ان کی شبانہ روز کوششوں نے " مبداء المعاد " کو اردو لباس پہنا کر لوگوں کے سامنے لا رکھا ۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کوشش اور ہماری تگ و دو کو قبول فرمائے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی بارگاہ میں جو گلدستہ پیش کر رہے ہیں اسے باریابی نصیب ہو آمین ثم آمین

○

إن أريد إلا الإصلاح ما استطعت وما توفيقي إلا بالله
بحمد الله که بفضل رحمانی و امداد یزدانی رساله هدایت ارشاد یعنی
مبدأ و معاد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وفضلِ رحمانی	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	بامدادِ یزدانی

حق حق حق

اَحْمَدُ اللّٰهَ فِی الْمَبْدَاِ وَالْمَعَادِ وَاُصَلِّیْ عَلٰی حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ الْاَمْجَادِ اَمَّا بَعْدُ فَهٰذِهٖ رِسَالَةٌ شَرِیْفَةٌ مُتَضَمِّنَةٌ لِاِشَارَاتٍ لَطِیْفَةٍ رَائِقَةٍ وَّاَسْرَارٍ دَقِیْقَةٍ فَائِقَةٍ لِلْاِمَامِ الْهُمَامِ حُجَّةِ اللّٰهِ عَلَی الْاَنَامِ قُدْوَةِ الْاَقْطَابِ وَالْاَوْتَادِ وَقِبْلَةِ الْاَبْدَالِ وَالْاَفْرَادِ کَاشِفِ اَسْرَارِ السَّبْعِ الْمَثَانِیْ الْمُجَدِّدِ لِلْاَلْفِ الثَّانِی الْاَوَیْسِیِّ الرَّحْمَانِیِّ الْعَارِفِ الرَّبَّانِیِّ شَیْخِ الْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِیْنَ شَیْخِنَا وَ اِمَامِنَا الشَّیْخِ اَحْمَدَ الْفَارُوْقِیِّ نَسَبًا وَّالْحَنَفِیِّ مَذْهَبًا وَّالنَّقْشَبَنْدِیِّ مَشْرَبًا لَازَالَ شُمُوْسُ هِدَایَتِهٖ عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی سَاطِعَةً وَّالنَّاسُ فِیْ رِیَاضِ اِفَاضَتِهٖ رَاتِعَةً وَّاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَیْهِ التُّکْلَانُ مِنْهَا

آغازِ تربیتِ سلوک جب مجھے (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی) راہِ سلوک [1] پر گامزن ہونے کا شوق پیدا ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے مجھے سلسلہ نقشبندیہ کے ایک کامل بزرگ (حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ) کی خدمت میں رسائی حاصل ہوئی آپ کی صحبت میں رہ کر مجھے سلوک نقشبندیہ اور اس سلسلہ عالیہ کے بزرگوں کے طریقہ پر چلنے کی تربیت ملی۔ میں ایک عرصہ تک آپ کی صحبت میں رہا اور آپ کی توجہ کی برکت سے خواجگان نقشبندیہ کا وہ جذبہ جو قیومیت کی صفت میں کمال سے پیدا ہوتا ہے۔

[1] :۔ سلوک دراصل اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا ایک ایسا راستہ ہے۔ جو عقل و خرد اور کتابی علوم سے

ماورار سیر کشفی عیانی سے حاصل ہوتا ہے۔ اس راہ پر چلنے کے لئے کسی دلیل - استدلال اور وجۂ سلوک کی محتاجی نہیں ہوتی - اس راہ پر چلنے والے کو سالک کہتے ہیں۔ سلوک کے ابتدائی مراحل میں یاد خداوندی کا ایسا غلبہ نصیب ہوتا ہے۔ کہ دوسرے تمام خیالات محو ہو جاتے ہیں۔ یہ کیفیت من جانب اللہ ہوتی ہے جس کی کشش سے سالک مختلف مدارج پر ترقی کرتا جاتا ہے اس حالت کو صفائی مبتدی کہتے ہیں۔ حاصل ہوا۔ نیز اندراج نہایت در بدائیت النہایتہ فی البدایۂ سے قدرے سیراب ہونے کا موقع ملا۔ جب یہ جذبہ پختہ ہو گیا تو مجھے سلوک میں اطمینان حاصل ہو گیا۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہ کی روحانی راہنمائی اور وساطت سے اس راہ کے تمام منازل طے ہوئے یعنی مجھے اس اسم تک رسائی حاصل ہو گئی جو میرا مربّی یا پرورش کنندہ تھا۔ یہاں پہنچ کر مجھے حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ کی روحانیت کی مدد سے قابلیت اولیٰ کے درجہ تک رسائی حاصل ہوئی۔ اسی مقام کو حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے پھر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی روحانی دستگیری نے سہارا دیا اور میں قابلیت اولیٰ سے اگلے مقام پر پہنچا پھر وہاں سے آگے ایک اور بلند تر مقام تک رسائی ملی یہ مقام مفصّل تھا اور پہلا مقام اس کا اجمال تھا یہ مقام اقطاب محمدیہ کو نصیب ہوتا ہے مجھے اس مقام پر ترقی اور قیام سید الانبیاء حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی تربیت سے حاصل ہوا۔

(یہی وہ مقام ہے جو حضرت مجدّد الف ثانی قدس سرہٗ کو ابتدائی دنوں میں حاصل ہوا تھا) سالک اس مقام کو حاصل کرنے کے بعد سالک مجذوب کہلاتا ہے ان حالات پر جب تجلیات وارد ہونا شروع ہوتی ہیں سالک صفائی متوسط کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے اس مقام پر پہنچنے والے سالک کو مجذوب کہتے ہیں۔ لیکن جب سالک اس مقام سے بھی گذر جاتا ہے تو اسے صفائی منتہی کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور وہ مجذوب سالک کے مقام پر پہنچتا ہے۔

ان منازل کو طے کرنے اور ان مقامات پر پہنچنے کے لئے مختلف سالکوں کی مختلف کیفیتیں ہوتی ہیں۔ ہر ایک سالک اپنی خداداد استعداد کی قوت سے آگے بڑھتا ہے اور وہ طریق اختیار طریق

اصحاب مجاہدات و ریاضیات اور طریق اصحاب شطاریہ جیسے منازل سے گذرتا جاتا ہے۔ اسی راہ میں ابتدائی۔ متوسط اور انتہائی منازل آتی ہیں اور یہاں ہی عروج و نزول کے مقامات حاصل ہوتے ہیں اور النہایۃ رجوع الی البدایۃ کے مقام کے اشارے ملتے ہیں، منازل عروج کے دوران سالک سکر۔ بیخودی

اس مقام پر پہنچتے وقت مجھے حضرت خواجہ علاء الدین عطار[۲] قدس سرہٗ کی روحانیت نے بھی امداد بہم پہنچائی۔ حضرت عطار۔ خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کے خلیفہ اور قطب ارشاد ہیں۔ اقطاب کا منتہائے عروج اسی مقام تک ہوتا ہے اور دائرہ ظلیت بھی اسی مقام پر پہنچ کر ختم ہوجاتا ہے اس کے بعد اصل خالص مقام فردیت اصل اور ظل کے اتصال کا مقام آتا ہے افراد[۳] میں سے بعض حضرات اس مقام پر پہنچتے ہیں بعض اقطاب بھی افراد کی صحبت کے ذریعہ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں اور وہ اصل ظل آمیز کا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ لیکن اصل خالص تک رسائی اور اصل خالص کا مشاہدہ کرنا صرف افراد کو ہی میسّر ہے جو ان کا خصوصی امتیاز ہے۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم ط

فنار الفنا سے آشنا ہوتا ہے۔ ایسے ہزاروں مراحل سے گذرنے کے بعد سالک کو وہ رتبہ عطا ہوتا ہے کہ اس کے سر پر تاج خلافت سجایا جاتا ہے اور اسے ناقصوں کی تکمیل کی خدمت سپرد ہوتی ہے وہ سُکر سے ابھر کر صحو میں آتا ہے اور مقام تمکین و تعین پر متمکن ہو کر خلیفہ حق۔ ہادی و راہنما بنتا ہے۔

سلوک کی کتابوں میں مبداء۔ ہدائیت۔ تفسیر یقین۔ فرق۔ کثرت اور بُعد کے مختلف مقامات کا ذکر ملتا ہے۔ سیر نزولی۔ سیر من اللہ۔ سیر مع اللہ۔ سیر باللہ اور سیر رجوعی وہ مقامات ہیں جن پر سالک یکے بعد دیگرے فائز ہوتا جاتا ہے۔ حضرات نقشبندیہ کا سلوک گیارہ مقامات (اصطلاحات) اور منازل طے کرتا ہے۔ ہوش در دم نظر بر قدم۔ سفر در وطن۔ خلوت در انجمن۔ یاد کرد۔ بازگشت۔ نگاہداشت۔ یادداشت۔ وقوف زمانی۔ وقوف عددی اور وقوف قلبی کی اصطلاحات سلسلہ نقشبندیہ میں پائی جاتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ان کے تمام مقامات سلوک سے گذرے تھے۔

؎ حضرت خواجہ ۔۔۔ء الدین عطار قدس سرہٗ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کے خلیفۂ اعظم تھے۔
محمد بن محمد بخاری نام اور خوارزم کے رہنے والے تھے۔ قصرِ عارفان کی تربیت گاہ میں بخارا پہنچے اور ظاہری
علوم اور روحانی تربیت قصرِ عارفان میں ہی پائی تھی۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے آپ کو خصوصی
تربیت سے نوازا تھا، اپنی بیٹی آپ کے نکاح میں دی۔ اپنی مجالس میں گفتگو فرماتے تو آپ کو خصوصیت
سے مخاطب بناتے تھے آپ کی توجہِ عالیہ سے حضرت عطار بڑے بلند مقامات پر پہنچے۔ حضرت نقشبند
نے آپ کو اپنی زندگی میں ہی طالبانِ سلوک کی تربیت پر لگا دیا تھا۔ اس طرح آپ کی کوششوں سے
ہزاروں اہلِ طلب درجۂ کمال تک پہنچے۔ سید شریف جرجانی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ جب تک
مجھے حضرت علاء الدین عطار قدس سرہٗ نے روحانی تربیت نہیں دی تھی مجھے خدا تک رسائی نہیں
تھی۔ حضرت مجدد الف ثانی نے آپ کے طریقہ تربیت کو طریقہ علائیہ لکھا ہے۔ آپ چہار شنبہ ۱۸ رجب
۸۰۲ھ کو نمازِ عشار کے بعد فوت ہوئے۔ آپ کا مزار قصبہ جغانیاں میں ہے۔ آپ کے تربیت یافتہ
نقشبندی حضرات ایران خراسان سے نکل کر برصغیر پاک و ہند میں بھی پہنچے تو سلسلہ نقشبندیہ کو عالمِ
اسلام میں بڑی شہرت ملی۔ حضرات نقشبندیہ میں آپ کی تربیت کے اثرات آج تک پائے جاتے ہیں
خانوادۂ مجددیہ نے تو آپ کے طریقۂ علائیہ کو خصوصی طور پر ۔۔۔ فروغ دیا تھا۔ حضرات
مجددیہ میں آج سلوک کی جو روایات جاری ہیں وہ حضرت خواجہ علاء الدین عطار کی تربیت کا ثمرہ ہیں۔

؎ افراد یا مفردان اربابِ طریقت میں بہت بڑا منصب ہے۔ جب قطبِ عالم ترقی کی منازل
طے کرتا ہے تو فرد ہو جاتا ہے فردانیت پر پہنچ کر وہ تصرفات سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ قطب مدار عرش
سے تحت الثریٰ تک متصرف ہوتا ہے۔ مگر فرد متصرف نہیں متحقق ہوتا ہے قطب مدار تجلی صفات میں
رہتا ہے۔ مگر فرد تجلی ذات میں ہوتا ہے قطب مدار خاص ہے فرد اخص۔ فردانیت مقام انبساط اور
موانست ہے۔ یہاں پہنچ کر کوئی مراد باقی نہیں رہتی بعض اولیاء اللہ کو تجلی افعالی ہوتی ہے بعض کو
تجلی رسمائی۔ بعض کو تجلی آثاری۔ بعض مقامِ صحو میں ہوتے ہیں بعض سُکر میں۔ بعض دونوں میں اس طرح
کے ہزاروں مقامات جن پر اولیاء اللہ باہر ہوتے رہتے ہیں۔ مگر فردان مقامات میں سے بہت بلند ہوتا ہے

مجھے قطبیِ ارشاد کی خلعت سے نوازا گیا تھا اور مقام قطبیت سرورِ دین و دنیا علیہ الصلوات والتسلیمات المبارکات والتحیات النامیات کی نوازش خصوصی سے ملا تھا۔ مجھے اس منصب پر صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ لطف وکرم سے پہنچایا گیا تھا۔

کچھ عرصہ بعد اللہ کی عنایات کی مزید توجہ ہوئی اور مجھے اس مقام سے بھی فوقیت دی گئی اور مقام اصل ممتزج پر پہنچا دیا گیا۔ یہاں آکر فنا و بقا کی دولت میسر آئی جس طرح مجھے سابقہ مقامات سے اٹھا کر ان مقامات اصلی پر ترقی دے کر اصل الاصل کے بلند منصب پر فائز کیا گیا تھا اس منصب پر پہنچنے کے لئے مجھے حضرت شیخ غوث الاعظم جیلانیؒ کی روحانیت نے بڑا سہارا دیا اور ان کی قوت تصرف نے ان تمام مقامات سے گذار کر اصل الاصل کے منصب پر پہنچایا۔ پھر مجھے دنیا کی طرف واپس کر دیا گیا جس طرح مجھے

حاشیہ سابقہ صفحہ :۔ افراد کی ترقی اور عروج کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ وہ انتہائی مقامات پر ترقی کرتے جاتے ہیں ان انتہائی ترقیوں اور بلندیوں پر فائز رہ کر افراد کو مقام محبوبیت ملتا ہے۔ مقام محبوبیت پر بعض خاصان خدا خصوصی اور امتیازی شان سے نوازے جاتے ہیں جس طرح حضرت غوث الثقلین سید عبدالقادر جیلانی اور سلطان المشائخ خواجہ محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ ۔ (اور بقول صاحب روضۃ القیومیہ حضرت قیوم اول مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ) جیسے افراد فائز رہے ہیں صاحب بحر المعانی نے لکھا ہے۔ کہ ایک دن میں دریائے نیل مصر میں حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ ایک کشتی میں ہم مجلس تھا۔ تو میں نے ایسے افراد کے متعلق دریافت کیا جو مقام محبوبیت پر شاہد لایزالی ہیں، تو حضرت خضر علیہ السلام نے بتایا۔ کہ شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ نظام الدین بدایونی رحمۃ اللہ علیہما کو مقام معشوقی اور محبوبی حاصل تھا۔

حضرات مجددیہ کی تحریریں اور ان کے ارباب کشف کے اقوال شاہد ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ بھی مقام فردیت پر فائز تھے اور انہیں شانِ محبوبیت سے نوازا گیا تھا۔

(فاروقی۔ استفادہ از سر دلبران مصنفہ شاہ سید محمد ذوقی قدس سرہٗ)

مختلف مقامات پر فائز کرنے کے بعد" ایک اہم کام کے لئے" واپس بھیجا جاتا رہا ہے۔
اگرچہ مقام فردیت پر فائز کرنے کے لئے مجھے سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ السامی کی راہنمائی اور امداد میسر آئی تھی[1]۔ مگر اس مقام کی نسبت کا سرمایہ اپنے والد مکرم مخدوم عبدالاحد قدس سرہ سے حاصل ہوا تھا۔ میرے والد ماجد کو یہ نسبت اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس سرہٗ العزیز سے میسر آئی تھی۔
حضرت شاہ کمال کیتھلی[2] بڑے بلند پایۂ بزرگ اور جذبۂ قوی کے مالک تھے ان کی کرامات اور خوارق بڑی مشہور ہیں ان دنوں مجھے ان مقامات اور نسبت کی اہمیت کا احساس نہیں تھا۔ حضرت والد ماجد مجھے نوافل میں ان مقامات اور نسبت سے آگاہ فرمایا کرتے تھے یہ میری تربیت کا ایک انداز تھا۔ جسے غیر محسوس طور پر میرے دل و دماغ پر مرتب کیا جاتا رہا۔ میرے والد مکرم کو یہ طریق اور نسبت اپنے شیخ شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور انکے صاحبزادے شاہ رکن الدین[3] قدس سرہما سے ملی تھی۔ یہ دونوں بزرگ سلسلہ چشتیہ کے ممتاز شیوخ میں سے تھے۔

---

[1] بعض حضرات کو حضرات مجددیہ کی تحریروں سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔ کہ حضرت مجدد الف ثانی حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے بھی بلند و بالا مقامات پر پہنچ گئے تھے۔ آپ کا یہ اعتراف سیدنا عبدالقادر رضی اللہ عنہ کے احسانات اور نوازشات کا اظہار احسان ہے اور آپ برملا اظہار فرماتے ہیں کہ آپ کو بلند مناصب پر پہنچنے کے لئے حضرت غوث الاعظم کی روحانی امداد ہر جگہ مددگار ثابت ہوئی (فاروقی)

[2] ۔ شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ ۸۹۵ھ / ۱۴۸۹ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ شاہ فیصل قادری کی نگاہوں نے آپ کی روحانی تربیت کی۔ تفسیر و احادیث تک علوم دینیہ پر عبور حاصل کرکے مجاہدات میں وقت گذارنے لگے صحراؤں بیابانوں میں اللہ اللہ کرتے رہے۔ بغداد سے نکل کر سمرقند۔ بخارا۔ روم و ایران مصر و فلسطین عراق و حجاز کی سیاحت کی۔ آپ اٹلی۔ سسلی۔ الجزائر اور قبرص سے ہوتے ہوئے

حاشیہ از صفحہ ۶ ، ۵ء شاہ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہٗ سلسلہ چشتیہ کے بلند قدر بزرگ ہوئے ہیں آپ کا شمار عارفان روزگار اور واصلان صاحب اسرار میں سے ہوتا ہے۔ آپ کو چشتیہ نظامیہ سلسلہ سہروردیہ اور سلسلہ قادریہ میں یکساں خلافت عطا ہوئی تھی۔ آپ کے بیٹے شیخ رکن الدین تھے نے لطائف قدوسی میں آپ کے مقام و کمالات کو تفصیل سے لکھا ہے صاحب اقتباس الانوار۔ اور مصنف مراۃ الاسرار نے آپکے مفصل حالات لکھے ہیں۔ آپنے فلسفہ وحدت الوجود کو برصغیر میں عام کیا۔ اور ذکر و مجاہدہ کو اپنے خلفا میں رواج دیا۔ آپ سے سلسلہ چشتیہ صابریہ کو بڑا فروغ ملا۔ اور آپ کی کرامات نے ایک زمانے کو متاثر کیا۔ آپ ۲۲ جمادی الآخر ۹۴۴ھ کو چوراسی سال کی عمر میں فوت ہوئے

(استفادہ اقتباس الانوار شیخ محمد اکرم قدوسی)

حاشیہ سابقہ صفحہ: افریقی ممالک میں چلے گئے۔ حضور غوث الاعظم نے آپ کے لیے اپنا خرقہ خاص اپنے بیٹے عبدالرزاق گیلانی قدس سرہٗ کو دیا۔ تاکہ آپ تک پہنچایا جائے۔ یہ مصری خرقہ خاص تھا۔ جسے آپ کے نبیرہ حضرت شاہ سکندر کیتھلی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت مجدد الف ثانی کو دیا تھا۔ آپ اپنے مرشد شاہ فیصل قادری زندہ پیر کے حکم سے برصغیر پاک و ہند میں آئے یہ شیر شاہ سوری کا عہد حکومت تھا۔ آپ قصبۂ ہائیل (سرہند) میں تشریف لائے تو حمید خاں حاکم ملتان کے پاس قیام کیا۔ انہی دنوں حضرت مجدد الف ثانی کے والد مخدوم عبدالاحد کابلی بھی حاکم ملتان کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ مخدوم عبدالاحد کو بیعت سے سرفراز فرما کر سلسلہ قادریہ میں تربیت کی۔ آپ سرہند میں قدرے قیام فرما کر کیتھل تشریف لے گئے اور تاحین حیات وہاں ہی قیام پذیر رہے۔ آپ ہندوستان میں ۹۲۷ھ / ۱۵۲۰ء میں تشریف لائے تھے۔ آپ کے ساتھ شاہ شکر اللہ شیرازی، حضرت سید عبداللہ، حضرت شاہ مبین جیسے بزرگ بھی آئے تھے ان تینوں بزرگوں کے مزار ٹھٹھہ (مکلی) سندھ میں اب تک زیارت گاہ خلق ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت غوث الاعظم کے انوار شاہ کیتھلی پر جس آب و تاب سے وارد ہوئے کسی دوسرے بزرگ پر نہیں ہوئے تھے۔ آپ کی مجالس میں اکثر رجال الغیب حاضر ہوتے اور آپ کے کمالات کو دیکھ کر حیران رہ جاتے۔ شیخ عبدالاحد سرہندی۔ شاہ سکندر کیتھلی کے علاوہ آپکے

علمِ لدنی کا حصول مجھے حضرت خضر علی نبینا و علیہ السلام کی روحانیت کے علم لدنی کے اسرار سے حاصل ہوئے تھے مگر یہ صورت حال اس وقت تک رہی جب تک مجھے مقام اقطاب نہیں ملا تھا۔ مگر جونہی مجھے مقام اقطاب سے بلند تر مقامات ملے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اعلیٰ ترین مناصب پر فائز کیا تو مجھے علم لدنی کا حصول اپنی ہی حقیقت سے ہونے لگا۔ یعنی اکثر علوم اپنی ذات میں خود بخود اپنی ذات سے حاصل ہونے لگے۔ کسی غیر کے واسطے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

مختلف سلاسل کے مشائخ کی تائید مجھے نزول کے وقت جسے سیر عن اللہ باللہ کہا جاتا ہے دوسرے سلسلوں کے مشائخ کے مقامات پر بھی عبور حاصل ہوا۔ ہر مقام پر میں نے بہت حصہ لیا۔ ہر مقام پر ہر سلسلہ کے مشائخ میرے مددگار اور معاون رہے۔ انہوں نے اپنی اپنی نسبتوں کے بہترین حصہ سے نوازا۔ سب سے پہلے مجھے سلسلۂ چشتیہ کے مقام پر عبور حاصل ہوا اور مجھے اس مقام پر بہت کچھ ملا۔ ان مشائخ عظام میں سے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت سے خصوصی حصہ ملا۔ آپ نے بڑی امداد فرمائی، سچی بات تو یہ ہے۔ کہ آپ اس مقام کے مالک اور ممتاز منصب پر فائز ہیں۔ چشتیہ کے بعد مجھے مقام اکابر کبرویہ قدس اسرارہم سے گزرنا پڑا اگرچہ دونوں مقامات عروج کے اعتبار سے مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ لیکن یہ مقام جہاں جو مجھے نصیب ہوا تھا فوق سے نزول کرتے ہوئے اس عظیم الشان شاہراہ کے دائیں جانب پڑتا ہے مگر پہلا مقام اس شاہراہ (صراط مستقیم) کے بائیں جانب آتا ہے صراط مستقیم وہ راستہ ہے۔

(حاشیہ سابقہ صفحہ) بیس جلیل القدر خلفاء ہوئے ہیں جنہوں نے پاک و ہند میں سلسلہ قادریہ کو فروغ دیا تھا آپ کے حالات جواہر مجددیہ۔ حالات مشائخ قادریہ، حضرات القدس زبدۃ المقامات روضۃ القیومیہ۔ تذکرہ آدمیہ اور دربار قادری جیسی مستند کتابوں میں ملتے ہیں۔ آپ کی وفات ۹۹۱ھ / ۱۵۱۳ء تحصیل ضلع کرنال (مشرقی پنجاب) میں ہوئی۔ یہاں ہی آپ کا مزار پر انوار ہے۔ (فاروقی)

جہاں سے اقطاب ارشاد میں سے بعض اکابر اسی راستہ سے گذر کر مقام فردیت پر پہنچتے ہیں اور آخری منصب تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔

افراد تنہا یعنی قطبیت کے بغیر اس راستہ سے گذرنا ناممکن ہے، یہ مقام۔ مقام صفات کہلاتا ہے اور وہ اس شاہراہ کے درمیان واقعہ ہے گویا یہ مقام ان دونوں مقامات کا برزخ ہے جہاں دونوں طرف سے فیوض و برکات کے انوار پڑتے ہیں۔ اس شاہراہ سے دوسری جانب بھی ایک مقام ہے جو صفات سے کم مناسبت رکھتا ہے

اکابر سہروردیہ کے مقامات

اس راہ پر چلتے چلتے مجھے سہروردیہ کے مقام پر بھی عبور حاصل ہوا۔ اس سلسلہ کے رئیس اور بانی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ ہیں یہ راستہ اتباع سنت کے نور سے مزین ہے اور مشاہدہ فوق الفوق کی ضیاؤں سے درخشاں ہے یہاں عبادتیں رفیق منزل بنتی ہیں۔ بعض سالک جو اس مقام پر نہیں پہنچ سکے۔ نوافل کی عبادت میں مشغول و مطمئن ہیں، انہیں اس منزل کے راہی اور سالک ہونے کی وجہ سے ان نورانی کرنوں کی روشنیوں سے نوازا جاتا ہے عبادات نافلہ ہی اس مقام کے راستہ کا سامان ہے لوگ خواہ مبتدی ہوں یا منتہی ان نوافل سے گذرنا پڑتا ہے یہ مقام بڑا عجیب و غریب ہے۔ بڑا ہی الگ ہے۔ جو انوار اس راستہ میں ملتے ہیں وہ دوسرے مقامات پر بہت کم نظر آتے ہیں۔ اس مقام کے مشائخ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سنت کی اتباع کی وجہ سے بڑے عظیم الشان مراتب پر فائز ہوتے ہیں اور بڑے ممتاز ہیں وہ دوسرے اولیاء کرام سے ممتاز اور بہتر ہیں ان حضرات کو اس مقام پر جو کچھ میسر ہوا ہے وہ دوسرے مقامات پر میسر نہیں ہوتا خواہ عروج کے اعتبار سے وہ مقامات اس مقام سے کہیں بلند ہی ہوں۔

اس کے بعد مجھے مقام جذبہ پر نزول نصیب ہوا۔ اس مقام پر بے شمار جذبات کے مقامات شامل ہیں۔ پھر اس مقام سے اوپر تو بہت سے مراتب حاصل ہوتے ہیں۔

ان مراتب کی انتہا مقام قلب پر ہوتی ہے جو ایک حقیقت جامعہ ہے ارشاد و تکمیل کا تعلق اسی مقام پر قرار پانے کا ہے۔ مجھے اس مقام پر قیام کا موقعہ ملا۔ اس سے پیشتر کہ مجھے اس مقام پر قیام و قرار ملے۔ ایک عروج نصیب ہوا۔ میں نے سایہ کی طرح اصل کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ مقام قلب پر عروج میں مجھے بے پناہ پختگی نصیب ہوئی۔

۲۔ قطب الارشاد اور اسکا فیضان

قطب الارشاد[۵] فردیت کے کمالات کا بھی جامع ہوتا ہے یہ مقام بہت کم حضرات کو ملتا ہے۔ صدیوں اور زمانوں کے بعد اس مقام پر ایک شخص متمکن ہوتا ہے۔ دنیا کی تمام تاریکیاں اس کے نور سے چھٹ جاتی ہیں اور اسکے ظہور کے نور سے منور ہو جاتی ہیں۔ اس کا ارشاد ساری دنیا پر محیط ہوتا ہے۔ عرش کے

---

[۵] قطب الارشاد: اصطلاحات تصوف میں اقطاب کی کئی قسمیں ہیں جو اپنے اپنے مناصب اور مقامات پر اپنے اپنے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ تمام دنیا میں بیک وقت صرف ایک ہی قطب کی حکمرانی ہوتی ہے۔ جسے مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ قطب عالم۔ قطب کبریٰ۔ قطب مدار۔ قطب الاقطاب۔ قطب جہاں قطب جہانگیر یا قطب الارشاد ایک ہی شخصیت کے مختلف نام ہیں عالم علوی و سفلی پر اُسکا تصرف ہوتا ہے اور ساری دنیا اسی کے فیض و برکت سے قائم ہوتی ہے۔ اگر قطب عالم کا وجود درمیان سے ہٹا دیا جائے تو سارا عالم درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے طوفان نوح کے وقت حضرت نوح علیہ السلام منصب قطبیت سے دست بردار ہو گئے تھے۔ قطب الارشاد اللہ تعالیٰ سے براہ راست احکام وصول کرتا ہے اور یہ احکام اور فیضان دوسرے اقطاب میں تقسیم کرتا ہے بڑے شہر میں رہتا ہے۔ بڑی عمر پاتا ہے۔ نور مصطفوی کی روشنی میں ہر سمت نگاہ رکھتا ہے اس کی آنکھیں کھلی ہوں یا بند کائنات کے تمام مسائل پر نگاہ رکھتا ہے اسے ماتحت اقطاب کی ترقی۔ تنزلی۔ اور تقرری کے اختیارات ہوتے ہیں وہ ولایت شمسی کا مالک ہوتا ہے۔ جبکہ اسکے ماتحت اقطاب ولایت قمری کے مالک ہوتے ہیں قطب الارشاد مظہر خاص تجلی الوہیت ہیں۔ قطب الارشاد سالک ہوتا ہے۔ اسکے مناصب اور مقامات ترقی کرتے رہتے ہیں وہ اسی مقام سے مقام فردانیت پر پہنچتا ہے۔ جسے محبوبیت بھی کہتے

دائرہ سے لے کر زمین کی گہرائیوں تک جس کسی کو ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ ایمان اور معرفت کی روشنی ملتی ہے۔ قطب ارشاد کے واسطے سے ملتی ہے۔ اس کے واسطے کے بغیر کوئی شخص اس کمال تک رسائی نہیں پا سکتا اس کا نور ایک بحر ان ہے وہ ساری دنیا کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے وہ دریائے منجمد معلوم ہوتا ہے اس میں کوئی حرکت نظر نہیں آئی۔ جو شخص قطب ارشاد کی طرف متوجہ ہوتا ہے یا اخلاص رکھتا ہے یا قطب الارشاد خود کسی کی طرف توجہ دیتا ہے تو اس توجہ کے دوران اس طلبگار کے دل میں ایک سوراخ پیدا ہو جاتا ہے دوسرے لفظوں میں اس کے دل کے دروازے کھل جاتے ہیں وہ اپنے اخلاص اور طلب کی حقیقت سے اس بحر بیکراں سے اپنا حصہ لیتا جاتا ہے اور اس دریا سے سیراب ہو جاتا ہے بعض بزرگ مقام قطب الارشاد سے واقف نہیں ہوتے اور وہ اس کی طرف توجہ دینے سے قاصر ہوتے ہیں۔ انکی یہ بے توجہی یا محرومی کسی انکار یا تجبر سے نہیں ہوتی۔ بلکہ مقام قطب الارشاد سے ناواقفیت کی بنا پر ہوتی ہے اس بزرگ کو بھی قطب الارشاد سے ایسے ہی حصہ ملتا رہتا ہے جس طرح باران رحمت سے تمام مقامات سیراب ہوتے رہتے ہیں۔ یہ فیض یابی ان لوگوں کے لئے خصوصی ہوتی ہے جو مقام قطب الارشاد سے واقف ہوتے ہوئے توجہ اور طلب فیضان کرتے رہتے ہیں

بعض لوگ قطب الارشاد کے مقام کے منکر ہوتے ہیں وہ اپنے عجب و تکبر کی وجہ سے قطب الارشاد کو خاطر میں نہیں لاتے ایسے لوگ کتنے ہی ذکر الٰہی اور تقدس میں مشغول رہیں رشد و ہدایت کی حقیقت سے محروم رہتے ہیں۔ خواہ قطب ارشاد ایسے کبھی کوئی نقصان نہ پہنچائے یا ارادۂ نقصان کبھی نہ کرے لیکن وہ شخص اپنے کردار کی وجہ سے رشد و ہدایت

حاشیہ سابقہ صفحہ :- ہیں جس طرح تمام رجال اللہ کے نام مختلف ہوتے ہیں قطب الارشاد کا نام عبداللہ ہوتا ہے۔ (فاروقی - استفادہ از سِرِّ دلبران - سید محمد ذوقی شاہ)

ہے۔ اسکی ضرورت اُن کو بھی ہوتی ہے۔ ولایت اور محبت خداوندی انہیں ان ضروریات سے فارغ نہیں کرتیں وہ دوسرے ہی لوگوں کی طرح غصہ کرتے ہیں اور اسی طرح محبت وشفقت کا اظہار کرتے ہیں۔ سیّد البشر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَغضبُ کما یغضبُ البشرط (مجھے بھی اس طرح غصہ آتا ہے جس طرح دوسرے لوگوں کو) جب حضور کو غم وغصہ کے جذبات سے بے نیاز قرار نہیں دیا جا سکتا تو اولیاء اللہ کیسے دور رہ سکتے ہیں۔ اسی طرح یہ بشر رگ کھانے پینے اہل وعیال سے تعلقات، معاشرت وموانست کی دوسری کیفیتیں ان پر بھی طاری ہوتی ہیں۔ بشریت کے تمام تعلقات اور عوامل خواص وعوام میں موجود ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السّلام کے متعلق فرمایا ہے کہ:

وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا یَاکُلُوْنَ الطَّعَامَ ط (ہم نے ان کے ایسے اجسام نہیں بنائے کہ وہ کھانا کھانے سے بے نیاز ہو جائیں) ایسی ہی حالات میں ظاہر بین کفار کہا کرتے تھے۔ مَالِ هٰذَا الرَّسُولِ یَاکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِی فِی الْاَسْوَاقِ۔ (اس رسول کو کیا ہوا ہے کہ وہ کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے) ان کفار کی نظریں اہلِ اللہ کے ظاہری معاملات پر پڑیں اور ان کی سوچ وہاں تک ہی محدود ہو کر رہ گئی اور وہ دنیا وآخرت کے خسارے میں پھنس گیا یہی ظاہر بینی تھی جس نے ابو جہل اور ابو لہب کو ایمان کی دولت سے محروم رکھا اور انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خسارے میں رکھا۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کی نگاہیں اولیاء اللہ کے باطن تک بھی پہنچتی ہیں اور ان کے سامنے باطنی صفات بھی آتی ہیں۔ یہ لوگ دریائے نیل کی طرح ہوتے ہیں۔ جو محجوبین (حجاب میں پڑے ہوئے لوگ) کے لیے طوفان بلا ہیں۔ اور محبوبین (پسندیدہ لوگوں) کے لیے زندگی بخش پانی کی طرح ہیں۔

سے محروم رہتا ہے ظاہری طور پر اُسے کچھ چیزیں میسّر بھی آجائیں مگر وہ رشد حقیقی سے یکسر خالی رہتا ہے۔

بزرگوں کا ایک طبقہ ایسا ہے جنہیں قطب ارشاد سے خلوص اور محبت ہے قطب ارشاد انہیں اپنی توجہ میں لے یا نہ لے ایسے بزرگ اپنے اس خلوص و محبّت کی بنا پر فیضانِ الٰہیہ سے بہرہ ور ہوتے رہتے ہیں اور اس رشد و ہدایت کے انوار ملتے رہتے ہیں۔ وَالسلام علیٰ مَنِ اتبع الہدیٰ۔

ذوقِ یافت

کارکنانِ قضا و قدر نے سب سے پہلے جو دروازہ کھولا وہ ذوقِ یافت کا تھا۔ یافت کا نہیں تھا۔ پھر ایک وقت آیا کہ یافت کی دولت میسّر آئی اور "ذوقِ یافت" گم ہوگیا۔

"یاد رہے کہ یہ دوسری حالت (ذوقِ یافت یا یافت کا گم ہونا) حالتِ کمال ہے اور اسی سے ولایتِ خاصہ کے درجات پر رسائی ہوتی ہے اور تیسرا مقام۔ مقامِ التکمیل والرجوع الیٰ خلق اللہ ہے۔ پہلی حالت تو جذبہ کی وجہ سے ہوتی ہے، لیکن اگر اُس کے ساتھ سلوک بھی شامل ہو جائے۔ تو وہ مکمل ہو جاتی ہے۔ تو تیسری حالت حاصل ہو جاتی ہے، لیکن وہ مجذوب جو سلوک سے عاری ہوتا ہے اسے دوسری اور تیسری حالت سے کچھ حصّہ نہیں ملتا۔ لہٰذا خود کامل اور دوسروں کو کامل بنانے والا وہ مجذوب ہے جو سالک بھی ہو۔ اسے ہی مجذوب سالک کہتے ہیں۔ پھر وہ "سالک مجذوب" بھی ہوتا ہے مگر جو شخص محض سالک ہو یا محض مجذوب ہی ہو وہ نہ تو خود کامل ہوتا ہے نہ دوسروں کی تکمیل کر سکتا ہے۔ ہمیں ایسے کوتاہ کاروں میں سے نہیں ہونا چاہیے۔

والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر البشر سیّدنا محمدٍ وّ آلہ الاطہر

ماہ ربیع الاوّل کے آخری دنوں میں مجھے خانوادہ نقشبندیہ کے ایک ممتاز

بزرگ (خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ) کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت نصیب ہوئی
آپ سلسلہ نقشبندیہ کے خلیفہ اور مشائخ میں سے تھے۔ آپ نے اپنے بزرگان سلسلہ
کا طریقہ حاصل کرنے کے بعد نصف ماہ رجب کو مجھے نقشبندی طریقہ میں بیعت فرما
کر حضورِ قلب کی سعادت بخشی۔ آغاز میں انجام کی جلوہ فرمائی تھی آپ نے فرمایا۔
نقشبندی نسبت دراصل حضورِ قلب کا ہی نام ہے۔ آپ نے مجھے پورے دس سال
اور چند ماہ اپنی تربیت میں رکھا۔ چنانچہ ماہ ذیقعد کے نصف آغاز میں وہ انتہا
(نہایت) جو ابتدا (بدایت) ہی میں بے شمار ابتداؤں اور اوساط کے پردوں
کے پیچھے سے جلوہ گر ہوئی تھی۔ حجابات چاک کر کے دفعتاً جلوہ گر ہوئی۔ مجھے
یقین حاصل ہو گیا کہ آغاز (بدایت) میں جو تجلّی نظر آئی تھی وہ اسی الہم کی صورت
تھی جس کی حقیقت اب سامنے آئی ہے وہ اسی پیکر کا ایک سایہ یا عکس تھا
اسی ایک مسمّیٰ کا اسم تھا۔ ان دونوں (ابتدا اور انتہا) میں بڑا فرق ہے حقیقتِ
حال اس مقام پر پہنچ کر معلوم ہوئی اور وہ مکہ سے اسرار یہاں آ کر منکشف ہوئے
جس نے اس ذوق کو چکھا ہی نہیں اسے اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا ہے

مَنْ لَمْ يَذُقْ لَمْ يَدْرِ

اظہارِ نعمت

وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ! (اپنے پروردگار کی نعمتوں کا ذکر کیا کرو) ایک دن میں اپنے خاص احباب کے
حلقہ میں بیٹھا تھا اور انہی کمزوریوں پر غور کر رہا تھا۔ یہ غور و خوض مجھ پہ اس قدر
غالب ہوا کہ اپنے آپ کو درویشانہ وضع جس میں کامل مناسبت نہ تھی محسوس کرنے لگا۔

ہے ذوقِ مے تجھ کو کیا کہوں زاہد — ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

لیکن جن لوگوں نے یہ مزہ چکھ لیا ہے اسے ریاض خیر آبادی نے یوں بیان کیا ہے۔

یہ کہئے آدھی رات در میکدہ کھلا — مانگی ہے اک بزرگ تہجد گزار نے

اسی دوران میری اس خاکساری اور انکساری پر میرے اللہ کو ترس آگیا اور مجھ خاک نشین کو بلند مرتبہ کر کے میرے باطن میں آواز آئی کہ میں نے تجھے بخش دیا ہے۔ قیامت تک ہونے والے ان تمام لوگوں کو بھی بخش دیا ہے۔ جو تجھ سے نسبت رکھتے ہیں۔ یہ نسبت خواہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ ہو گی۔ مجھے یہ آواز بار بار آتی رہی اور مجھے بار بار یقین دلایا جاتا رہا کہ مجھے کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے میں نے اللہ کی اس عنایت پر بے حد شکر ادا کیا۔

الحمد للہ سبحانہ علی ذالک حمداً کثیرًا طیباً مبارکاً فیہ مبارکاً علیہ و سمحا یحبُّ رُبنا و یرضیٰ۔ والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ سیّدنا محمدٍ و آلہ کما یحدی۔

مجھے حکم دیا گیا کہ میں اس نعمت خداوندی کا افشاء اور اظہار کرتا رہوں۔

اگر بادشہ بر درِ پیر زن بیاید۔ تو لے خواجہ سُبالتی مکن

سیر الی اللہ خدا کی طرف سیر کرنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ اسماء التعین میں سے اس اسم تک سیر کی جائے۔ جو اس سالک کا مبداء تعین ہے۔ یعنی سالک کے متعلق فیصلہ کیا جاتا ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی کونسی صفت میں سیر کرتا ہے۔

سیر فی اللہ سیر فی اللہ سے مراد یہ ہے کہ اس اسم میں سیر کی جائے جو اس ذاتِ احدیث کی بارگاہ تک منتہی ہو، اس کی ذات اسماء۔ صفات اور اعتبارات کے تصور سے پاک اور منزہ ہے۔ یہ وضاحت اس طرح آسان ہو گی کہ اسم مبارک "اللہ" سے ایسا مرتبہ وجوب لیا جائے جو تمام اسماء و صفات کو جامع ہو۔ اگر اس اسم مبارک سے مراد خدائے تعالیٰ کی ذات محض لی جائے تو اس معنی سے "سیر فی اللہ" اور "سیر الی اللہ" ہی مراد ہو گی۔

سیر عن اللہ

سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ سے بالکل علیحدہ "سیر عن اللہ" ہے جو سیر ذات محض میں ہے نہایت النہاتیہ کے نقطے میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس نقطہ پر پہنچنے کے بعد بلا کسی تمرد کے سالک کو دنیا کی طرف آجانا چاہیے۔ اسے سیر عن اللہ یا للہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی معرفت ہے جو نہایت النہایتہ کے مقام پر فائز حضرات کے ساتھ مخصوص ہے۔ اولیا اللہ میں میرے سوا کسی بزرگ نے اس خصوصی نقطے اور ممتاز معرفت پر گفتگو نہیں کی۔ اللہ جسے چاہتا ہے اسے نوازتا ہے۔

والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمدٍ وَ آلہ اجمعین ط

کمالات ولایت

کمالات ولایت میں مختلف بزرگانِ دین نے مختلف انداز سے پیش قدمی کی ہے بہت سے بزرگ ایسے ہوئے ہیں جنہیں ولایت میں صرف ایک ہی مقام یا درجہ تک رسائی ہوئی ہے۔ بعض ایسے بزرگ ہوتے ہیں جو صرف دو مقام تک رسائی حاصل کر سکے ہیں بعض تین تین کمالات کے مالک ہوتے ہیں۔ اولیاء اللہ کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جنہیں چار کمالات تک نوازا گیا ہے۔ بعض گنے چنے اولیاء اللہ پانچ پانچ کمالات کی استعداد رکھتے ہیں مگر ایسے افراد کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ ان پانچ درجوں میں سے پہلے درجے کا تعلق تجلی افعال سے دوسرے درجہ کا تعلق تجلی صفات سے ہوتا ہے۔ آخری تین درجوں کا تعلق ذاتی تجلیات سے ہوتا ہے جس کے مختلف مدارج ہیں[1]

---

[1] صوفیاء کرام نے تجلی کے مختلف مقامات کا ذکر فرمایا ہے۔ تجلی کا معنی ذات اسماء صفات اور افعال الوہیت کے جھلکے جانا ہے۔ لغت میں تجلی ظاہر کرنے کو کہتے ہیں،

میرے زیادہ تر احباب مذکورہ درجات میں سے بعض درجات پر فائز ہیں چند احباب چھٹے درجہ پر بھی پہنچے ہیں۔ مگر چند ایک۔ ایسے بھی ہیں جو پانچویں درجہ پر فائز ہوئے ہیں۔ یہ پانچواں درجہ درجات ولایت کا آخری درجہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جن درجات سے مجھے نوازا ہے وہ ان پانچوں درجات سے بلند ہیں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد آج تک ان درجات کا ظہور نہیں ہوا یہ جذبہ وسلوک کے کمالات سے بھی بلند تر مقام ہے اس کمال کا ظہور حضرت امام مہدی علیہ السلام پر ہوگا۔ وَالصلوٰۃ والسلام علی خیر البریۃ

چونکہ ذات مطلق کا اظہار لباس تعین ہی سے ممکن ہے۔ اس لیے حضرات صوفیہ کی اصطلاح میں لباس تعین کو تجلّی کہتے ہیں۔ ہر وہ شان۔ یا کیفیت جس پر حق تعالیٰ کا یا اسکی صفت یا فعل کا پرتو پڑے یا اظہار ہو اسے تجلّی کہتے ہیں۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کے ظہور کے مختلف انداز ہیں اس لیے تجلیات بھی مختلف اور لاتعداد ہیں۔ ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق تجلّیات الٰہی سے مستفیض ہوتا ہے۔ ہر دم ہر لحظہ۔ ہر آن۔ ہر لمحہ نئی نئی شان سے متجلی ہوتا رہتا ہے۔ جس طرح اس کی ذات لامتناہی ہے اسی طرح اس کی تجلّیات بھی لامحدود اور بے حد و شمار ہیں اور انکی نئی آن اور نئی شان ہوتی ہے۔

؎ اے ترا بر طور دل ہر دم تجلّی دگر طالب دیدار تو ہر لحظہ موسائے دگر (مجبتیٰ)

موسیٰ علیہ السلام آگ کی تلاش میں نکلے تو تجلّیات الٰہیہ نے آگ کی شکل میں جلوہ دکھایا۔ آگ کی روشنی میں تجلّیات الٰہی نمودار ہوئیں۔ تو انوارِ حقیقت کے غلبے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے اور اپنی ہستی سے دست بردار ہو گئے۔

؎ موسیٰ ز ہوش رفت بیک جلوہ صفات

نزول کا انتہائی کمال

نہایۃ النہایہ تک پہنچ جانے والے لوگوں کو جب واپس آنا پڑتا ہے تو انہیں نہایت نچلے درجہ تک اُترنا ہوتا ہے اور کمال کے آخری درجہ (نہایت النہایت) تک پہنچنا اس وقت مناسب ہوتا ہے جب اس کا نزول انتہائی نچلے درجہ تک ہو جائے۔ جب اس خصوصیت کے ساتھ رجوع واقع ہو تو صاحب رجوع اپنی پوری ذات کے ساتھ اسباب کی دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے ایسا نہیں ہوتا کہ ایسی حالت میں کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور کچھ حصہ مخلوق کی طرف راغب رہے کیونکہ ایسا ہونے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ایسے شخص کو نہایۃ النہایہ تک وصول حاصل ہی نہیں ہوا۔ اسی طرح (غایۃ الغائیہ) انتہائی نچلے درجے کا نزول بھی نصیب نہیں ہوسکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ نماز پڑھتے وقت جو مومن کے لیے معراج ہے۔ صاحب رجوع کے لطائف کی توجّہ بارگاہ الٰہی میں خشوع وخضوع

حاشیہ سابقہ صفحہ سے:۔ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَ ... وَّخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا۔ جب اللہ تعالیٰ نے تجلّی فرمائی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر لوٹ ۔۔ ۔ اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے پہاڑ اپنی تمکنت اور استقامت کا دعویٰ دار تھا۔ اللہ کی تجلّی اس پر پڑی وہ ریزہ ریزہ ہو کر سرمہ بن گیا حضرت موسیٰ عالم تکوین میں تھے ان پر تجلّی نہیں پڑی تھی صرف اس کا پرتو ہی تھا۔ وہ بے ہو کر گر پڑے تجلّی تو جبرائیل جیسے جلیل القدر مقرب الٰہی کے پر جلا دیتی ہے۔ تجلّیات صفات میں بندہ صفات کے انوار کی بارش میں گھر جاتا ہے، صوفیاء کرام نے اس صفت پر بڑی عمدہ گفتگو فرمائی ہے پھر تجلّیات کی مختلف اقسام کا بھی ذکر کیا ہے۔ تجلّی آثاری۔ تجلّی فعلی۔ تجلّی صفاتی اور تجلّی ذاتی کے مختلف اثرات بیان کیے ہیں۔ تجلّی اکمل، تجلّی ظہوری، تجلّی رحمانی، تجلّی رحیمی، تجلّی شہودی، تجلّی جمادی، تجلّی نباتی، تجلّی حیوانی، غرضیکہ بے شمار تجلّیات کا ذکر ملتا ہے (فاروقی استفادہ سرِ دلبراں)

اختیار کر لیتی ہے۔ مگر نماز سے فارغ ہونے کے بعد پھر وہ دنیاوی امور میں دلچسپی لینے لگتا ہے ہاں فرائض اور سنتیں ادا کرنے تک چھ کے چھ لطائف بارگاہِ خداوندی میں رہنے لگتے ہیں مگر نوافل کی ادائیگی کے دوران صرف ایک لطیفہ بارگاہِ خداوندی میں متوجہ رہتا ہے حدیث پاک میں لی مع اللہ وقت (میرے لیے اللہ کے قریب ایک وقت آتا ہے) کی برکات کی بدولت اُسے وہ ذوق حاصل ہوتا رہتا ہے۔ نماز میں ایسی کیفیت کا قرینہ ایک اور حدیث میں بھی ملتا ہے۔ جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ (نماز تو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے) اس حدیث کے قرینہ کے علاوہ کشف صحیح اور الہام صریح بھی اس کی تائید کرتے ہیں سب مجھے اس معرفت سے خصوصی حصّہ ملا ہے۔

حضرات مشائخ نے اس کیفیت کو جمع بین التوجہین قرار دیا ہے۔

وَالْاَمَرُ اِلیَ اللّٰہ سبحانہٗ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ وَ اِلتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وَ آلہ الصلوات والتسلیمات اتمھا وَاکملھا۔

مشاہدہ انفس وآفاق [1]

مشائخ اور صوفیاء کے خیال میں مرتبہ ولایت میں پہنچ جانے کے بعد اہل اللہ کا مشاہدہ انفس (اپنی باطن) میں ہوتا ہے وہ آفاقی مشاہدہ جو سیر الی اللہ کے دوران ہوتا ہے اس کا اعتبار نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس فقیر (مجدد الف ثانی رحمہ اللہ)

---

[1] : حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے دوسرے صوفیا کی طرح انفس و آفاق پر اپنے تجربات اور مشاہدات کا ذکر کیا ہے۔ اہل تصوف نے اس اصطلاح کو قرآن پاک کی اس آیۃ کریمہ سے اپنایا ہے۔ سنریھم آیاتنا فی الآفاق وَفی اَنْفُسِھُم حتی یَتبیّن لَھُم اَنّہُ الحق ط (عنقریب ہم ان کو آفاق میں اور اُن کے نفسوں میں اپنی نشانیاں دکھلائیں گے تاکہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ تحقیقی طور پر وہ حق ہے)

پھر ظاہر فرمایا ہے کہ جو مشاہدہ انفس میں ہوتا ہے وہ بھی اسی مشاہدہ کی طرح ہے جو آفاق میں ہوتا ہے۔ معتبر نہیں کیونکہ ایسا مشاہدہ بھی مشاہدۂ حق نہیں حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل اور بے چگونہ ہے۔ آئینہ میں خواہ آفاق کا ہو یا انفس کا، یہ گنجائش نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا احاطہ کر سکے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نہ دنیا میں داخل ہے اور نہ ہی اسے دنیا سے خارج قرار دے سکتے ہیں۔ نہ وہ دنیا سے متصل ہے اور نہ دنیا کے شہود سے دور ہے۔ دنیا میں نہ تو اللہ تعالیٰ کی رویت (مشاہدہ) ممکن ہے اور نہ اسے عالم سے خارج قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح نہ اس رویت کو دنیا میں محدود کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے دنیا دنیا کے مظاہر اسے جدا کیا جا سکتا ہے چنانچہ اہل اللہ کا یہ فیصلہ ہے کہ آخرت (قیامت) رویت خداوندی ہماری دنیاوی عقل و فکر میں محدود نہیں ہوگی۔ یہ رویت بلاکیفیت ہوگی۔ جو عقل اور وہم کی حدود میں نہیں آسکے گی۔ قضا و قدر کے کارکنوں نے دنیا میں اس راز کو صرف خاص الخاص افراد پر ہی منکشف کیا ہے اگرچہ ہم اسے رویت قرار نہیں دے سکتے مگر ہم اسے رویت مماثل قرار دے

حاشیہ سابقہ صفحہ سے :۔ اسی آیۂ کریمہ سے صوفیاء کرام نے سیر انفس اور سیر آفاق کی اصطلاحیں جاری کی ہیں۔ نفس انسانی اپنی تمام ظاہری اور باطنی عادات کے ساتھ انفس کہلاتا ہے اور اس کے ملاحظہ و مطالعہ کو سیر انفسی کہا جاتا ہے۔ کائنات میں جو کچھ بھی ظاہر اور باطن ہے آفاق کہلاتا ہے۔ اس سے بطریق کشف و شہود آگاہ ہونا سیر آفاقی ہے۔ آفاق میں جو کچھ موجود ہے وہ اجمالی طور پر انفس میں بھی ہے جو کچھ یہاں ہے وہی وہاں ہے اور جو کچھ وہاں ہے وہی یہاں ہے۔ بقول فاضل بریلوی قدس سرہٗ

؎ جو یہاں ہوا وہ وہاں ہوا جو یہاں نہیں وہ وہاں نہیں ؛ صرف اجمال و تفصیل کا فرق ہے۔ سیر انفسی سیر اجمالی ہے جبکہ سیر آفاقی سیر تفصیلی ہے۔ انفس و آفاق دراصل

سکتے ہیں ۔ یہ وہ دولت ہے جو صحابہ کرام کے بعد شاید ہی کسی دوسرے شخص کو میسر آئی ہو ۔ میرے نزدیک یہ سعادت صرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حصہ تھی ۔ میری یہ رائے شاید بعض حضرات کو گراں گزرے اور بہت سے لوگ اسے قبول نہیں کریں گے مگر یہ اس نعمت عظمیٰ کے اظہار کیے بغیر نہیں رہ سکتا خواہ کوتاہ اندیش اسے قبول کریں یا نہ کریں یہ نسبت مستقبل میں حضرت امام مہدی (رضی اللہ عنہ) میں خصوصیت کے ساتھ ظاہر ہو گی ۔ انشاء اللہ ۔

وَالسلام علیٰ مِنَ اتبع الھدیٰ وَالتزم مُتَابعَۃ المصطفیٰ صلوات اللہ تعالیٰ وَتسلیماً علیہ وَعلیٰ آلہٖ وَاصحابہٖ اَجمَعِین ط

سلوک کی ابتدا

جب کوئی طالب اپنے شیخ یا پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اسے سب سے پہلے استخارہ کرائے ۔ یہ استخارہ تین سے سات بار کرایا جانا چاہیے استخاروں کے بعد اگر اس طالب کو کوئی تذبذب نہ ہو اسے آگے تربیت دینا ضروری کو دی جائے سب سے پہلے اسے توبہ کرائے توبہ پر قائم رہنے کی تعلیم دے اور دو رکعتیں نماز توبہ ادا کرنے کے لیے کہے ۔ کیونکہ توبہ حاصل کیے بغیر اس راہ میں چلنا بے فائدہ ہے ۔ ابتدائی طور پہ اجمالی توبہ ہے تفصیلی توبہ آئندہ

حاشیہ سابقہ صفحہ سے :۔ اللہ تعالیٰ کے محل و منظر ہیں جنکو حق تعالیٰ کا پتہ چلتا ہے جو شخص ان نشانیوں ۔ ان آیات الٰہیہ کو ان مناظر قدرت کو پہچاننے کی صلاحیت پیدا کر لیتا ہے وہ ذات خداوندی کی معرفت حاصل کرنے اور اسے پہچاننے کی راہوں پر چل نکلتا ہے ۔ اسکی ظاہری اور باطنی قوتوں کو پہچان کر اپنے ایمان کو کامل بنا لیتا ہے ۔ جو ان آیات کی پہچان سے محروم رہا وہ انسانیت کے اوصاف سے محروم ہو کر رہ گیا ۔ (فاروقی استفادہ سرِ دلبراں)

تربیت کے دوران کرائے۔ کیونکہ اس زمانہ میں لوگوں کی ہمتیں اور روحانی قوتیں کمزور پڑتی جارہی ہیں۔ اگر آغاز میں ہی تفصیلی توبہ کا بوجھ ڈال دیا جائے تو اسے بڑی مشکلات کا سامنا ہوگا ممکن ہے کہ ان مشکلات سے گھبرا کر طالب آگے نہ بڑھ سکے اور اس مقصد کے حصول میں رکاوٹ پیدا ہو جائے اور توبہ کو بھی سرانجام نہ دے سکے۔ اجمالی توبہ کے بعد آہستہ آہستہ طالب کو آگے بڑھنے کی تربیت دی جائے اور جو ذکر و ریاضت اس کے لیے قابل برداشت ہو تعلیم دیتا جائے اور اس سلسلہ میں پوری توجہ کی ضرورت ہے۔ راہ سلوک کے آداب و شرائط بتا دیے جائیں۔ قرآن و سنت اور اسلاف کے عمل کی تعلیم دی جائے اور یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرا دے کہ ان معاملات کی تکمیل کے بغیر اس کا آگے بڑھنا ممکن نہیں ہے۔ طالب کے ذہن کو اس بات پر آمادہ کر دینا چاہیے کہ قرآن و سنت کی اتباع کے بغیر مطلوب تک رسائی ناممکن ہے۔ اور یہ بات ذہن نشین کرا دینی چاہیے کہ اس پیروی کے بغیر مطلوب تک رسائی ناممکن ہے اور یہ بات بھی واضح کر دی جائے کہ اس راستہ میں جتنے کشف یا اصول سامنے رکھیں گے۔ اگر بال برابر بھی کتاب و سنت سے انحراف ہوا۔ تو تمام کے تمام بے کار ہو کر رہ جائیں گے۔ اگر کوئی ایسا مرحلہ پیش آئے تو استغفار اور توبہ کرائیں اور ساتھ ہی اسے یہ بات ذہن نشین کرا دیں کہ اپنا عقیدہ فرقہ ناجیہ اہلسنت و جماعت کی آرا کے مطابق درست کرے اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی فقہ پر کاربند رہے۔ عقائد میں اہلسنت و جماعت اور اعمال میں کتاب و سنت کی پیروی کو لازمی قرار رہے۔ یہ سلوک کی منزل کے دونوں بازو ہیں جن کی قوت سے پرواز ممکن ہے ان نظریات اور اعمال کے بعد اپنی غذا میں بڑی احتیاط رکھے۔ اگر طالب حرام یا مشتبہ غذا

کھلائے گا تو راہ سلوک میں دشواریاں پیدا ہوں گی۔ احتیاط کرے کہ جہاں سے جو کچھ مل گیا اسکی طرف ہاتھ نہ بڑھائے۔ جب تک ایک چیز کی حلت یا جواز شریعت سے میسر نہ ہو اسے استعمال میں نہ لائے۔ تمام معاملات میں وَمَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَہٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَہُوْا ط

(جو کچھ تمہیں اللہ کا رسول عطا کرے اسے قبول کرو جس سے روک دے اسے ٹھکرا دو) کو اپنا نصب العین بنالے۔

یاد رہے کہ طالبوں کی حالت میں دو مقامات ضرور آتے ہیں یا تو وہ اہل کشف و معرفت کے زمرے میں ہوں گے یا ارباب جہالت اور حیرت کے طبقہ میں ہوں گے۔ اگرچہ سلوک کی منزلیں طے کر لینے کے بعد دونوں مقامات بہت نیچے رہ جاتے ہیں اور ان کی حیثیت نہیں رہتی اور منزل پر پہنچنے کے بعد راستہ کی دشواریاں ختم ہو جاتی ہیں۔ اسکی مثال یوں سامنے رکھیں کہ دو جماعتیں کعبۃ اللہ میں پہنچتی ہیں۔ ایک جماعت راستہ کی ایک ایک دشواری، سفر کا ایک ایک لمحہ اور قافلوں کی تمام باتیں اسے یاد آتی ہیں دوسری جماعت ایسی ہے جو آنکھیں بند کیے راہ کی تکالیف کا احساس کیے بغیر منزل پر پہنچ جاتی ہے اور تفصیلات کو خاطر میں نہیں لاتی اب منزل مقصود پر پہنچنے کے بعد دونوں بامراد ہیں۔ دونوں برابر ہیں کسی کو ایک دوسرے پر برتری نہیں ہے۔ اگرچہ راستہ کی دشواریوں کو پہچاننے اور ان کے احساس کی کیفیتیں مختلف ہیں۔ تاہم منزل مقصود پر پہنچنے کے بعد دونوں سابقہ مراحل کو بھول جانا (جہل) ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے بعد جہل ضروری ہے۔ معرفت کی منزل میں اپنا علم اپنا تجربہ بے کار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات میں معرفت حاصل کرنا بھی جہل اور معرفت سے عاجز ہونا ہے۔

راہِ سلوک کی منزلیں

سلوک کی منزلیں طے کرتے وقت دس ایسے مقامات آتے ہیں جن سے گزرنا ضروری ہے۔

تین مقامات تجلیات پر مشتمل ہیں ؎۱۔ تجلی افعال۔ تجلی صفات اور تجلی ذات۔ مقام رضا کے علاوہ یہ تمام مقامات تجلّی افعال اور تجلّی صفات سے وابستہ ہیں۔ صرف مقام رضا ہی ذات خداوندی اور محبّت ذاتیہ سے وابستہ ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خواہ محبوب کی طرف سے آرام پہنچے یا دُکھ، شفقت ملے یا تکلیف محب کے لیے یکساں ہے یہ وہ مقام ہے جہاں رضا نصیب ہوتی ہے۔ اور رضا ہی رضا ہوتی ہے۔

؎۱ :۔ اگرچہ ہم سابقہ صفحات کے حواشی پر ان تجلیات کا اجمالی ذکر کر آئے ہیں مگر حضرت مجدد الف ثانی نے راہ سلوک کی منازل میں ان مقامات کو اہم قرار دیا ہے۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کی سہولت کے لیے ان مقامات اور اصطلاحات پر اظہار خیال کیا جائے۔ یاد رہے تجلّی ذاتی میں ذات کی تجلّی سے سالک دوچار ہوتا ہے تو سالک فانی مطلق ہو کر اپنے علم و شعور اور ادراک سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ عبد ختم ہو جاتا ہے اور حق باقی رہتا ہے۔ تجلّی ذاتی میں عبد کا فنا ہونا اور حق کا باقی رہنا بقا باللہ کہلاتا ہے۔ اس حالت میں سالک اپنے آپ کو جسمانی اور روحانی طور پر عبدی صفات سے مبرّا ہو کر اللہ کی ذات میں گم ہوتا ہے۔ اس کا علم جملہ ذرات کائنات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ وہ خود جمیع صفات الٰہیہ سے متصف ہو جاتا ہے اور کسی چیز کو غیر خود یا اپنے سے خارج نہیں پاتا۔ اسے کمال توحید عیانی بھی کہتے ہیں۔

تجلّی صفات میں سالک حق تعالیٰ کو امہات صفات میں متجلی پاتا ہے امہات صفات حیات۔ علم۔ قدرت۔ ارادہ۔ سمع۔ بصر۔ کلام جنہیں صفات سبعہ ذاتیہ کہتے ہیں۔ ان تمام صفات میں اللہ تعالیٰ کی تجلّی ظاہر ہوتی ہے۔ تجلی افعال کے سلسلہ میں صوفیاء نے بڑے لطیف نکتے بیان فرمائے ہیں۔ مگر اصطلاح صوفیہ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں تجلّی فعل میں

ناپسندیدگی ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح تمام مقامات میں کمال کی حد کو پہنچ جانا تجلی ذاتی کے حصول کے وقت ہی ممکن ہے۔ کیونکہ مکمل تر ین فنا اسی تجلی سے وابستہ ہے۔ دوسرے نو مقامات تجلی افعال اور تجلی صفات ہی میں حاصل ہو جاتے ہیں۔

ہم اس کی یوں وضاحت کریں گے کہ سالک اپنے اوپر صفات الٰہیہ کا مشاہدہ کرتا ہے۔ تو بے اختیار توبہ و انابت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ڈر اور خوف کھاتا ہے تقویٰ کو اپنا شعار بنا لیتا ہے۔ خدا کی تقدیرات پر صبر کرتا ہے۔ بے صبری اور ناتوانی سے چھٹکارا پا لیتا ہے۔ چونکہ تمام نعمتوں کا مالک اسی کو سمجھتا ہے۔ لامحالہ مقام شکر میں داخل ہو جاتا ہے۔ توکل میں ثابت قدم ہو جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی نرمی اور مہربانی ہوتی ہے تو اُمید (رجا) کے مقام میں داخل ہو جاتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کا مشاہدہ کرتا ہے تو اسے سارے جہاں کی ذلتیں پست نظر آتی رہتی ہیں اور یہ دنیا اس کی نگاہ میں ذلیل و خوار نظر آتی ہے اور اس

حاشیہ سابقہ صفحہ سے:۔ سالک صفات فعلیہ ربوبیہ میں سے کسی ایک صفت کیساتھ حق تعالیٰ کو متجلیٰ پاتا ہے اس مشہد (مقام مشاہدہ) میں بندہ سے فعل اور اختیار اور ارادہ سلب ہو جاتا ہے۔ اور وہ ہر چیز میں قدرت کے جاری ہونے کو دیکھتا ہے۔ سالک کی ابتدائی منازل میں ذوق و بے خودی پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے بعض مظاہر کی صورت میں اس کے دل پر تجلی ڈالتا ہے۔ اصطلاح صوفیہ میں اس عمل کو تانیس کہا جاتا ہے۔ اور یہی تجلی اضافی ہوتی ہے اس تجلی کا سالک پر وہ اثر پڑتا ہے جو شراب کا اثر شراب پینے والے پر ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس شراب کا کام آتش طور سے لیا جسے دیکھتے ہی ذوق و بے خودی کے عالم میں بے ہوش ہو گئے۔ مشرب محمدی میں شراب بے خودی وہ نور تھا جو آپ نے شب معراج کو مشاہدہ فرمایا۔ اور مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی کے مقام پر قائم رہے۔

طرح اس کی رغبت دنیا سے ہٹ جاتی ہے وہ فقر اختیار کرتا ہے زہد و تقویٰ کا پیکر بن جاتا ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہ حالات صرف سالک مجذوب کے نصیب ہوتے ہیں ہر نو واردان مقامات کو نہیں پا سکتا۔ ہاں مجذوب سالک ان مقامات کو اجمالی طور پہ پالیتا ہے۔ کیونکہ عنایت ازلی کی کشش سے وہ ایسی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ جو ان مقامات کی تفصیل سے اسے آگاہ کرنے لگتی ہے وہ محبت کے زیر سایہ ان مقامات کا لب ولباب اور منازل کا خلاصہ مکمل کر لیتا ہے جو صاحب تفصیل کو بھی میسر نہیں ہوتا

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی!

نفی کل طالب کے لیے ضروری ہے کہ وہ انفس و آفاق سے تعلق رکھنے والے تمام معبودانِ باطل کی نفی کا اہتمام کرے اور معبودِ حق کے اِثبات کے بارے میں جو کچھ اس کے شعور اور خیال کے حوصلے میں آسکے اُسکی نفی کرے اور صرف حق تعالیٰ کے موجود ہونے پر اکتفا کرے۔ اگرچہ اس مقام پر وجود کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ذات حق کو وجود سے بالاتر تلاش کرنا چاہیے۔ علمائے اہلسنت نے بہت خوب کہا ہے کہ واجب تعالیٰ کا وجود اس ذات سبحانہ پہ زائد ہے۔ وجود کو عین ذات کہنا اور وجود

حاشیہ بقیہ صفحہ سے:۔ ہستی چوں جدا گشتم گشتم کبریا + چو من از خود فنا گشتم چہ گویم ہرچہ گویم شد

حضرت شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی ابوالمکارم احمد بن محمد ۶۵۹ھ میں پیدا ہوئے۔ ۲۲ رجب ۷۳۶ھ کو ستر سال کی عمر میں فوت ہوئے آپ شیخ نورالدین عبدالرحمٰن عسکری کے مرید تھے۔ آپ نے ابنِ عربی کے فلسفہ وحدت الوجود سے اختلاف کیا تھا اور اسے علمی طور پہ ناقابل یقین قرار دیا تھا کہ آپ کی تصنیف میں چہل مجالس اور عروۃ الوثقیٰ بہت مشہور ہوئیں۔

سے پرے کسی دوسری بات کا اثبات نہ کہ نامحض کوتاہی فکری ہے۔
شیخ علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ فوق عالم الوجود عالم الملک الودود (شہنشاہِ ودود کی دنیا عالم وجود سے بھی اوپر ہے۔)
جن دنوں مجھے (مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی) عالم وجود سے اوپر لیجایا گیا تھا تو میں کچھ عرصہ تک مغلوب الحال رہا۔ علم تقلیدی کی رو سے اپنے آپ کو اہل اسلام سے شمار کرتا رہا۔ مختصر یہ کہ ذہن وشعور میں جو کچھ آسکتا ہے وہ بھی بطریق اولیٰ ممکن ہی ہوگا۔

ایک شبہ اور اسکا ازالہ

سلوک کے دوران فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے ممکن بھی واجب بن جاتا ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ایسا ہونا ممکن نہیں۔ اس سے تو حقائق اُلٹ جاتے ہیں۔ لہذا جب ممکن واجب نہیں ہوسکتا۔ تو ممکن کے حصّہ میں اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ واجب تعالیٰ کے ادراک سے اپنے عجز اور درماندگی کا اعتراف کرلے۔

عنقا شکار کس نشود، دام باز چین
کاینجا ہمیشہ باد بدست دام را

(عنقا کسی کے جال میں نہیں آسکتا۔ لہذا اپنا جال سمیٹ لو۔ یہاں تو دام میں ہمیشہ ہوا ہی آتی ہے یہ کسی کو اپنے اندر قید کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا)
بلند ہمتی کا تقاضا ہے کہ ذات حق سے طالب کو کچھ بھی ہاتھ نہ آئے اور ذات حق کا کوئی نام ونشان ظاہر نہ ہو۔ صوفیاء کی ایک جماعت ایسی ہے جو یہاں ایک دوسرا مطلب لیتی ہے۔ یعنی بعض لوگ ذات حق کو اپنا عین پاتے ہیں اور اس کے ساتھ قرب ومعیت پیدا کرلیتے ہیں۔

؎ آں ایشانند ومن چنینم یارب

حضرت خواجہ نقشبند کی شش جہات نگاہ

حضرت خواجہ نقشبند[۱] قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ تمام مشائخ کے آئینہ قلب کی صرف دو جہتیں ہیں۔ لیکن میرے آئینہ قلب کی چھ جہتیں ہیں۔ سلسلۂ نقشبندیہ کے بانی کے اس کمال کو آج تک خانوادۂ نقشبندیہ کے کسی بزرگ نے اس کلمۂ قدسیہ کی تشریح اور توجیہ نہیں فرمائی حتیٰ کہ اشارہ کنایہ سے بھی اس موضوع پر اظہارِ خیال نہیں فرمایا۔ مجھ جیسے حقیر اور کم مایہ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اس نکتہ کی تشریح و توضیح کرے۔ اور اسکی وضاحت میں لب کشائی کرے۔ لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس معمّہ کے اسرار کو واقف فرمایا ہے اور اس کی حقیقت سے آگاہ فرمایا ہے لہٰذا دل میں خیال آتا ہے کہ اس نایاب موتی کو تحریر کی لڑی میں پرو کر قارئین کے سامنے لاؤں اور اس راز کو روح زباں پر لا کر واضح کروں۔ میں نے پہلے استخارہ کیا اور اللہ تعالیٰ سے استدعا کی ہے کہ وہ مجھے غلط بیانی سے محفوظ رکھے اور صحیح بیان کی توفیق دے۔

---

[۱]: حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہٗ سلسلہ نقشبندیہ کے بانی اور ترجمان تھے آپ نے بخارا کے قریب قصر عارفان میں سلسلہ نقشبندیہ کے سلوک کی تربیت دے کر ہزاروں مشائخ نقشبندیہ کو عالم اسلام کے مختلف ممالک میں روانہ کر کے دنیا بھر میں نقشبندی طریقہ کو فروغ دیا آپ ۴ محرم الحرام ۷۱۸ھ کو قصر عارفان بخارا میں پیدا ہوئے سید امیر کلال قدس سرہٗ نے آپ کی روحانی تربیت فرمائی اور دینی علوم اپنے وقت کے نامور علماء سے حاصل کیے۔ آپ نے سلوک کی راہ میں شریعت مصطفویہ کو مشعل راہ بنایا اور سنت رسول پر سختی سے عمل کیا۔ ذکر جہر کو ذکر خفی سے بدل دیا۔ آپ کو اپنے پیر و مرشد کی خصوصی تربیت کے علاوہ کئی نامور مشائخ سے روحانی فیض ملا۔

میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ آئینہ سے مراد عارف الٰہی کا قلب ہے جو روح اور نفس کے درمیان برزخ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان بزرگوں نے اُس آئینہ قلب کی دو جہتوں جو روح اور نفس کو دیکھنے میں کام آتی ہیں۔ ذکر کیا ہے لہذا مشائخ کو جب مقام قلب پر رسائی ہوتی ہے تو وہ ان پہ اسکی دونوں جہتیں منکشف ہوتی ہیں اور اُن دونوں مقامات کے علوم و معارف جنہیں قلب سے مناسبت

ہوتی ہے منکشف ہوتے رہتے ہیں مگر حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہٗ اسکے برعکس خصوصی امتیاز کے مالک ہیں۔ اس مقام میں چونکہ انتہا ابتدا میں مندرج ہوتی ہے لہذا اس طریقہ میں آئینہ قلب کی چھ جہتیں نمایاں ہو جاتی ہیں۔ کارکنانِ قضاو قدر سے سلسلہ نقشبندیہ اور طریقہ عالیہ کے اکابرین پہ یہ بات منکشف کر دی ہے کہ چھ لطیفوں میں سے کچھ افراد انسانی کے مجموعے میں موجود اور ثابت ہیں۔ تمام کے تمام قلب کے اندر بھی موجود ہیں (یہ لطیفے نفس۔ قلب۔ روح۔ سِر۔ خفی اور اخفیٰ ہیں) چھ جہتوں نے ہم انہیں چھ لطائف سے مراد لیتے ہیں۔ باقی مشائخ کی سیر تو ظاہر قلب پہ ہوتی ہے اور حضرات سلسلہ نقشبندیہ کی سیر باطن قلب پر ہوتی ہے۔ اور اس میں یہ حضرات قلب کے ابطن بطون (یعنی قلبی گہرائیوں کے بواطن) کے مقام پہ پہنچ جاتی ہے اور علوم و معارف کے چھ لطائف مقام قلب پر منعکس ہونے لگتے ہیں۔ جنہیں مقام قلب سے مناسبت ہوتی ہے۔ ہم حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ

حاشیہ سابقہ صفحہ سے:۔ اور آپ مقامات سلوک کی بلندیوں پر پہنچے۔ رشحات۔ نفحات الانس۔ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ حالات مشائخ نقشبندیہ اور نقشبندیہ سلسلہ کے بزرگوں کے مستند تذکروں میں آپ کے حالات اور کرامات کی تفصیلات ملتی ہیں۔ آپ نے خواجہ علاء الدین عطار۔ خواجہ محمد پارسا جیسے حضرات نقشبندیہ کو کامل تربیت دے کر سلسلہ کو آگے بڑھایا۔ آپ ۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ کو فوت ہوئے۔ (فاروقی استفادہ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ خواجہ نور بخش توکلی)

کے مقام شش جہت کو انہی نکات سے واضح کر رہے ہیں۔

ان بزرگانِ سلسلۂ نقشبندیہ کی برکات کی بدولت مجھے مزید برمزید انکشافات بھی ہوئے ہیں اور تحقیق کے بعد تدقیق کا درجہ بھی حاصل ہوا ہے ہیں ایک رمز کو اشارۃً بیان کرنا مناسب جانتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی انسان کو غلطیوں سے محفوظ رکھتی ہے

قلب کے پانچ درجات

یہ بات ذہن نشین کر لینے کے بعد کہ قلب چھ لطیفوں پر مشتمل ہوتا ہے، اس طرح قلب کا قلب بھی چھ لطائف سے مزین ہوتا ہے لیکن قلب کے قلب میں دائرہ کی تنگ دامانی کی وجہ سے یا بعض دوسرے اسرار کی وجہ سے ان چھ لطائف میں سے دو لطیفے جزئی طریق پر ظاہر نہیں ہوتے ان میں سے ایک لطیفہ نفس ہے اور دوسرا لطیفہ اخفیٰ ہے [۱]

---

[۱] صاحب سرّ دلبراں نے اصطلاحاتِ تصوّف کی وضاحت کرتے ہوئے لطیفہ نفس کو زیر ناف قرار دیا ہے اور اس کے نور کو زرد رنگ سے تعبیر کیا ہے۔ لطیفہ اخفیٰ کو اُم الدماغ میں قرار دیا ہے اور اس کے نور کو سیاہ رنگ قرار دیا ہے جو آنکھوں کی سیاہی میں جھلکتا ہے۔ حضرات نقشبندیہ مجددیہ رحمہم اللہ میں سے بعض محققین نے ایسے دس لطائف کا ذکر کیا ہے پانچ عالمِ امر اور پانچ دائرہ خلق سے تعلق رکھتے ہیں۔ لطائف عالمِ امر کی جڑ ہیں عرشِ معلیٰ سے بھی اوپر ہیں اور جسم انسانی میں ان کے مظاہر موجود ہوتے ہیں۔ یہ لطائف قلب روح سرّ۔ خفی و اخفیٰ ہیں (جن کا ذکر حضرت مجدد نے متن کتاب میں فرمایا ہے) لیکن عالمِ خلق کے اربعہ عناصر ہیں جو عالمِ امر کے لطائف کی اصل ہیں۔ یہ مختلف لطائف مختلف انوار سے منور ہوتے رہتے ہیں اور مختلف اولوالعزم انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے زیرِ قدم ہوتے ہیں ان لطائف کے اہلِ سلوک خصوصاً سلوک نقشبندیہ مجددیہ نے حضرت

"یہ حال اس قلب کا بھی ہوتا ہے جو تیسرے درجہ پہ ہوتا ہے مگر اس میں لطیفہ خفی بھی ظاہر نہیں ہوتا اور یہ کیفیت اس قلب کی بھی ہے جو چوتھے مرتبہ پہ ہوتا ہے مگر اس میں لطیفہ سرّ بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ باوجودیکہ لطیفہ قلب اور لطیفہ روح اس میں ظاہر ہوتا ہے اور پانچویں مرتبہ میں لطیفہ روح بھی ظاہر نہیں ہوتا اور صرف قلب محض باقی رہ جاتا ہے جو بالکلیہ بسیط ہوتا ہے اس میں قطعاً کسی دوسری چیز کا اعتبار نہیں ہوتا۔

ہمارے نزدیک بعض معارف عالیہ کو معلوم کر لینا اس لیے ضروری ہے تاکہ ان معارف کی روشنی میں "نہایت النہایت" اور غایتہ الغایت" تک پہنچا جا سکے میں اللہ کی عطا کردہ توفیق سے کہتا ہوں کہ جو کچھ عالم کبیر میں تفصیلاً ظاہر ہوتا ہے وہ عالم صغیر میں اجمالاً ظاہر ہوتا ہے۔ عالم صغیر سے مراد انسان ہے لہذا جب عالم صغیر کا زنگ دُور کر کے اسے منور کر دیا جاتا ہے (یعنی انسان کی اصلاح کر کے اس کے قلب و روح کو روشن کر دیا جاتا ہے) تو اس میں وہ تمام چیزیں آئینے کی طرح جھلکنے لگتی ہیں۔ جو عالم کبیر میں پائی جاتی ہیں۔ انسان کا زنگ دُور ہوتے اور منور

سابقہ صفحہ سے :۔ مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی راہنمائی میں اپنی روحانی منازل طے کرنے میں بڑی اہمیت دی ہے سلسلہ نقشبندیہ کے وہ مشائخ جنہیں ظاہری علوم سے بڑھ کر روحانی تجربات سے واسطہ پڑا ہے۔ وہ ان لطائف کی باریکیوں کو خوب جانتے ہیں اور انکی مجالس میں تربیت پانے والے ان مقامات سے شناسائی حاصل کرتے ہیں۔ (فاروقی)

سکہ :۔ اصطلاح صوفیہ میں عالم ماسوی اللہ کو کہتے ہیں۔ کیونکہ اسکی وساطت سے اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسماء تک رسائی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسماء اس عالم میں منعکس ہوتے ہیں۔ دنیا میں ایک چیز لوگوں کی نظر میں خواہ کتنی ہی چھوٹی یا مفید ہو وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی مظہر ہوتی ہے چنانچہ ان اشیاء کی وجہ سے ذاتِ خداوندی کا

ہو جانے سے اس کے قلب و روح میں وسعت آجاتی ہے اور اسکی آلائشیں اور کوتاہیاں دور ہو جاتی ہیں یہی حال قلب کا ہے اس کی نسبت عالم صغیر کے ساتھ اسی طرح ہے۔ جس طرح عالم صغیر کی عالم کبیر کے ساتھ ہے۔ یعنی اجمال و تفصیل کی نسبت جب عالم اصغر جو عالم قلب ہی کا نام ہے۔ صیقل (روشن) ہو جاتا ہے تو اس پر چھائی ہوئی ظلمت اور تاریکی دور ہو جاتی ہے۔ پھر اس آئینہ کے اندر بھی وہ چیز منعکس ہونے لگتی ہے جو عالم صغیر میں تفصیلاً پائی جاتی ہیں۔ یہی معاملہ قلب کے ساتھ قلب کی نسبت سے ہے۔ قلب میں اجمال ہے۔ قلب قلب میں تفصیل ہے۔ ان تفصیلات کا

سابقہ صفحہ سے: سراغ ملتا ہے دوسرے لفظوں میں یہ عالم صورت حق ہے اور اس کے جمال و جلال کا مظہر ہے۔ بلحاظ خلیفہ حق ہونے کے حضرت آدم علیہ السلام کو اور سید البشر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت محمدیہ کو بھی روح عالم کہا جاتا ہے۔ اہل تحقیق نے لکھا ہے کائنات میں اٹھارہ ہزار عالم ہیں۔ آٹھ ہزار آسمانوں پر۔ آٹھ ہزار سمندروں اور زمین کی خشکی میں موجود ہیں۔ دو ہزار عالم اس ارضی دنیا پر ہیں۔ ان دو ہزار میں سے ایک ہزار شکمی ہیں جن کے پیٹ سے بچے پیدا ہوتے ہیں اور ایک ہزار بیضہ فگن ہیں۔ جن کے انڈوں سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ جنکے پیٹ میں ان اٹھارہ ہزار عالموں کی تحقیق و تفتیش صوفیا کرام اور فلاسفروں نے بڑی عمر صرف کی ہے۔ ہمارے صوفیائے اسلام میں عالم الامر۔ عالم کلی۔ عالم الخلق۔ عالم مثال۔ عالم معانی۔ عالم قدس۔ عالم برزخ۔ عالم ملکوت اور عالم ناسوت جیسے سینکڑوں مقامات کی تحقیق و رسائی کے آثار ملتے ہیں۔ ان بزرگوں نے تلاش حق میں ایسے ایسے مقامات اور ایسے ایسے عوالم کا کھوج لگایا ہے جو اہل بصیرت کے لیے آسانیاں پیدا کرتے ہیں۔ آج کے صوفیا ذکر و فکر کی مجالس برپا کریں تو غنیمت ہے۔ مگر ہمارے اسلاف نے اس میدان میں جو ترقی اور ارتقا حاصل کیا ہے وہ مذاہب عالم کے تمام فلاسفروں اور روحانی راہنماؤں کے لیے مقام رشک ہے۔

(خانہ و قتی)

ظہور اس اجمال میں ہونے لگتا ہے حالانکہ وہ خود مجمل ہوتا ہے ۔

"تیسرے مقام پر مرتبہ قلب اور چوتھے مقام پر مرتبہ قلب اجمال وتفصیل پر قیاس کیا جاسکتا ہے ۔ یہ مراتب مختلف مدارج پر رونما ہوتے جاتے ہیں۔ ان قلبوں کی کیفیت اسی پیمانہ پر قیاس کرنا چاہیے۔ پانچویں مرتبہ میں جس قلب کا قیام ہے وہ تمام نورانیات اور صفائیوں کا درجہ اُتم ہوتا ہے۔ اس پر تمام عالم واضح ہوتے ہیں۔ وہ بسیط ہونے کے باوجود اس میں کسی چیز کا اعتبار نہیں ہوتا کامل تصفیہ کے بعد وہ تمام چیزیں جو دوسرے عالموں میں موجود ہیں منعکس ہوتی ہیں عالم کبیر، عالم صغیر، عالم اصغر غرضیکہ تمام عالم اسکی حدود وقیود میں ہوتے ہیں۔ لہٰذا پانچواں قلب تنگ ہونے کے باوجود وسیع تر بھی ہوتا ہے۔ بسیط ہونے کے باوجود وسیع تر بھی ہے۔ قلیل ہونے کے باوجود کثیر بھی ہے۔

یاد رہے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی کوئی چیز اتنی لطیف پیدا نہیں کی جتنا قلب ہے اور اس عجیب وغریب لطیفہ کے مقابلے میں دنیا کی کوئی ایسی چیز نہیں بنائی گئی جو اپنے خالق اور صانع کے ساتھ اتنی قریب نسبت رکھتی ہو چنانچہ اس مقام پر اپنے خالق اور صانع کی وہ وہ عجیب وغریب نشانیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ جو دوسری کسی مخلوق سے ظاہر نہیں ہوتیں ایک حدیث قدسی میں یہ مضمون آتا ہے۔

لَیَسَعُنِی اَرضِی وَلَاسَمَائِی وَلٰکن لَیَسَعُنِی قَلْبُ عَبْدِی المومن ط

(نہ میں زمین میں سما سکتا ہوں نہ آسمانوں کی وسعتیں مجھے سما سکتی ہیں، لیکن میں اپنے بندہ مومن کے دل میں سما جاتا ہوں) [۱۵]

---

[۱۵] من نہ گنجم در زمین و آسمان
در دل مومن بگنجم بے گمان!
(رومی قدس سرہ)

عالم کبیر

عالم کبیر اگرچہ ظہور کے اعتبار سے آئینوں میں سب سے زیادہ وسیع ہے لیکن اتنی کثرت اور تفصیل کی وجہ سے اسے اس ذات باری تعالیٰ سے کوئی مناسبت نہیں۔ اس ذات کے لائق صرف وہی چیز ہو سکتی ہے جو تنگ ہونے کے باوجود وسیع تر ہو۔ بسیط ہونے کے باوجود بڑی وسعت پذیر ہو۔ قلیل تر ہونے کے باوجود کثیر تر ہو۔ جب کوئی عارف، جکی معرفت مکمل تر اور جس کا حضور (شہود) کامل تر تھا۔ اس مقام پہ پہنچتا ہے جس کا وجود نادر ہے اور مرتبہ کے لحاظ سے شریف تر ہے تو ایسا عارف تمام جہانوں اور تمام ظہورات کا قلب بن جاتا ہے ایسا شخص ہی ولایت محمدیہ کا حقدار ہوتا ہے اور دعوات مصطفویہ کے ساتھ مشرف ہوتا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم ولتسلیماً ط

اقطاب و اوتاد کا مقام

جس ہستی کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ اتنی بلند ترین ہوتی ہے کہ تمام اقطاب۔ اوتاد اور ابدال اس کے دائرہ ولایت میں آتے ہیں۔ افراد۔ احاد۔ اور اولیاء کے تمام طبقے اسی کے انوار ہدایت سے مستنیر ہوتے ہیں وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت کا نائب ہوتا ہے وہی حضور کا قائم مقام ہوتا ہے وہی سیدالانبیاء کی ہدایت کا ہدایت یافتہ ہوتا ہے۔ یہ وہ نسبت شریف اور عزیز ہے جو بہت نادر اور کمیاب ہے۔ یہ مقام مرادین میں سے کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ اس مقام پر صرف مرادین پہنچتے ہیں۔ مریدین کا کوئی حصہ نہیں ہوتا یہی مقام "نہایت عظمیٰ" ہے یہی مقام غایۃ اولیٰ ہے۔ اس سے بڑھ کر نہ کوئی منصب ہے۔ نہ بلندی ہے اس کے آگے نہ کوئی مقام کمال ہے اور نہ کوئی منصب اکرام ہے۔ اگر آپ کو صدیوں بعد ایسا عارف کامل مل جائے تو اسے غنیمت جانو۔ اسکی برکات طویل عرصہ اور صدیوں تک جاری رہتی ہیں وہ عارف کامل ہوتا ہے۔ جکی گفتگو امراض کی دوا ہے۔ جکی نگاہ

شفا ہوتی ہے حضرت مہدی رضی اللہ عنہ امت محمدیہ کے اسی مقام پر فائز ہوں گے اور وہ اس نسبت مخصوصہ کی ساری عظمتیں لے کر آئیں گے۔

ذالِکَ فضل اللہ یوتیہ من یشاء

اس نعمت عظمیٰ کا حصول طریق سلوک اور جذبہ تفصیل سے وابستہ ہے۔ فنا اور بقا کے تمام مقامات درجہ بدرجہ حاصل ہوتے جاتے ہیں۔ یہ مقام سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ الحمد للہ الذی جَعَلنا متابعیہ والمسئول من اللہ سبحانہ کمال المتابعتہ والثبات علیہ والاستقامتہ علیٰ شریعتہ ویرحم اللہ عبداً۔ آمین ثم آمین۔

یہ ہیں وہ اسرار اور مخفی رموز جن پر آج تک اکابر اولیا کرام میں سے کسی نے بھی لب کشائی نہیں فرمائی اور بزرگ ترین حضرات نے بھی اس موضوع پر اظہار خیال نہیں فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ناچیز بندے (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ السامی) کو اپنے خاص فضل و کرم سے ان خفیہ اسرار کے اظہار کے لیے فرمایا۔ کسی شاعر نے کیا خوب فرمایا ہے۔

ع اگر بادشاہ بہر در پیر زن
بیاید تو اے خواجہ سبت مکن

(ترجمہ: اگر بڑھیا کے در پے آئے سلطان۔ تو اے خواجہ نہ ہو ہرگز پریشان)

اگر بادشاہ کسی عاجز بڑھیا کے دروازے پر کرم فرمائی کرتے ہوئے چلا آئے تو آپ لوگوں کو اس کرم نوازی اور ذرہ نوازی پر تعجب نہیں کرنا چاہیے اللہ تعالیٰ کی قبولیت کسی علت کے ساتھ وابستہ نہیں۔ کسی تعصب یا وجہ کی پابند نہیں وہ جو چاہے کرتا ہے جسے چاہے نوازتا ہے وہ جسے چاہے اپنی رحمت میں مخصوص کر لیتا ہے وہ بڑے فضل و کرم والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوں

ہمارے آقا و مولا محمد رسول اللہ پر۔ آپ کی اولاد پر۔ اس کی برکتیں نازل ہوں۔ آپ پر۔ آپ کی اولاد پر۔ آپ کے اصحاب پر۔ ملائکہ مقربین پر۔ اللہ کے نیک بندوں پر۔

رُوح کیا ہے ؟

رُوح[۱۵] دنیائے بے کیف سے تعلق رکھتی ہے لامکان ہی اس کا مقام ہے۔ اگرچہ روح کی بے کیفی اللہ تعالیٰ کے مرتبہ وجوب کی نسبت سے عین کیف ہے۔ اور اسکی لامکانیت لامکانی حقیقی (اللہ تعالیٰ) کی نسبت سے عین مکانیت ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ عالم ارواح اس دنیا اور مرتبہ بے چونی (بے کیف) کے درمیان برزخ ہے اس طرح عالم ارواح میں دونوں رنگ پائے جاتے ہیں، عالم کیف اسے عالم بے کیف سمجھتا ہے اور مرتبہ بے کیفی کی طرف نظر کی جائے تو عین چوں (عین کیف) نظر آتا ہے یہ برزخیت اسے اپنی اصلی فطرت کے اعتبار سے حاصل ہے۔

روح جب بدن عنصری (جسم) میں مقید، اور اس کے ایک ڈھانچے میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ تو وہ برزخیت سے نکل کر دنیائے کیف میں اُتر آتی ہے۔

[۱۵]

بے کیفی کا رنگ اس سے پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ اسکی حالت ہاروت و ماروت کی طرح بعض مصلحتوں کی بنا پر ارواح ملائکہ بشریت کی پستیوں میں نیچے اُتر آتی ہے۔ ہمارے مورخین اور مفسرین نے اس واقعہ پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کی دستگیری شامل حال ہو جائے اور اس سفر سے واپسی نصیب ہو جائے اور قید سے آزاد ہو کر پستی سے عروج کرنے لگے۔ تو نفس ظلمانی اور بدن عنصری کو بھی اس کے طفیل عروج نصیب ہو جاتا ہے اور وہ بھی منازل طے کرنے لگتا ہے اس سلسلہ میں روح کے اس تعلق اور اس کے تنزل سے جو کچھ مقصود ہے وہ ظاہر ہونے لگتا ہے۔ نفس امارہ مطمئن ہونے لگتا ہے۔ تاریکی نورانیت سے بدلنے لگتی ہے جب روح اس سفر کو مکمل کر لیتی ہے تو اُسے اس کو اپنے انجام تک پہنچائے گی ــــ اور اپنی اصلی برزخیت تک پہنچ جائے گی اور اس طرح اپنی بدایت (نقطۂ آغاز) کی طرف لوٹتے ہوئے نہایت (نقطۂ انجام) کو حاصل کرے گی۔ لہٰذا وہ بھی برزخیت ہی میں قیام پذیر ہو گا۔

نفس مطمئنہ نفس مطمئنہ پر عالم امر کا ایک رنگ چڑھا ہوا ہے۔ اس لیے وہ قلب و بدن کے درمیان ایک برزخ ہے۔ وہ بھی اسی جگہ قیام پذیر ہو گا۔ لیکن بدن عنصری جو چار عناصر سے مرکب ہے وہ عالم کون و مکاں میں قرار پائے گا۔ اور اطاعت و عبادت میں مشغول ہو جائے گا۔ اس کے بعد اگر کوئی سرکشی ہو گی تو تمام عناصر کی پستیوں کی طرف منسوب ہو گی۔ مثلاً آتش جو اپنی فطری عادت کی وجہ سے سرکش اور مخالفت پر مصر رہتی ہے۔ ابلیس لعین کی زبان میں أنا خیر منہ (میں اس سے بہتر ہوں) کی طرح صدا بلند کرے گی۔ نفس مطمئنہ تو سرکشی سے باز رہتا ہے وہ اللہ کی رضا پر راضی ہوتا ہے۔ وہ سرکشی کا تصور بھی نہیں کرتا۔ اگر سرکشی ہو سکتی ہے تو قالب سے ہو سکتی ہے نفس مطمئنہ سے نہیں سرکار

دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً اسی ابلیسی سرکشی کی وجہ سے اس سے جہاد کرنے کو جہاد اکبر قرار دیا ہے آپ نے جو یہ فرمایا ہے اَسلم شیطانی (میں نے اپنے شیطان کو مسلمان کر لیا ہے) سے مراد آفاقی شیطان ہے جو حضور کے قرین بن گیا تھا لیکن جہاد اکبر والی حدیث سے مراد شیطان انفسی ہے۔ اگرچہ شیطان کا زور توڑ دیا گیا تھا۔ اور اپنی جبلی سرکشی سے باز آگیا تھا لیکن چونکہ اسکی جہالت میں سرکشی تھی، اس لیے کبھی خطرہ لاحق ہونے کا احتمال تھا اس لیے حضور نے اَسلم شیطانی (میرا شیطان مسلمان ہو گیا) سے انفسی شیطان ہی مراد لیا ہے۔ اس کے مسلمان ہونے کے باوجود اس کی جبلت اور فطرت نہیں بدلی مسلمان ہونے کے بعد وہ عزیمت چھوڑ کر رخصت پر عمل کرے تو پھر بھی درست ہے اگر اس سے گناہ صغیرہ سرزد ہو بھی جائے تو اسکی بھی گنجائش ہے۔ کیونکہ نیک لوگوں کی نیکی مقربان بارگاہ کی برائی سے تعبیر کی جاتی ہے اس کا اپنی سرکشی سے توبہ استغفار۔ پشیمانی۔ انکساری پر آجانا بے انتہا ترقی کا باعث بن جاتا ہے۔ جب بدن عنصری اپنے مقام پر قرار پا لیتا ہے تو لطائف ستہ کے جدا ہونے اور ان کے عالم امر میں ترقی کرنے کے بعد دنیا میں خلیفہ اللہ کہلانا اسی بدن و قالب کا حق ہے اور ان سب کے کام اسی کو کرنے پڑیں گے اس کے بعد اگر الہام ہوتا ہے تو اسی گوشت کے ٹکڑے (مضغہ) پر ہوتا ہے جو حقیقت جامعہ قلبیہ کا خلیفہ ہے اور جو حدیث نبوی میں وارد ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے جسکا ترجمہ یوں ہے۔

"جو شخص چالیس روز خالص اللہ کے لیے وقف کر دیتا ہے تو حکمت و دانائی کے چشمے اس کے قلب سے نکل کر اس کی زبان سے ظاہر ہونے لگتے ہیں حدیث میں گوشت کا یہ ٹکڑا دل یا زبان ہے۔"

ایک اور حدیث میں آیا ہے "کہ میرے دل پر ہلکا سا غبار طاری کر دیا جاتا ہے"۔ یہ غبار حضور کی ذات اقدس یا روح پر نہیں ہوتا۔ بلکہ اسی گوشت کے ٹکڑے پر آتا ہے کیونکہ وہ قلب مہبطِ انوار الٰہیہ تو کلیتہً غبار سے آزاد ہو چکی ہے۔ ایک اور حدیث میں قلب کی تبدیلی کا بھی ذکر آیا ہے فرمایا۔

قلب المومن بین اصبعین من اصابع الرحمن (مومن کا قلب رحمٰن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے) پھر ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا۔ مومن کا قلب، پرندے کے ایک پر کی طرح ہے جو کسی جنگل میں پڑا ہوا ہو۔ ایک اور جگہ فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ یَا مُقَلِّبَ القُلُوب ثَبِّتْ قَلْبِی عَلٰی طاعتک (اے دلوں کو پلٹنے والے۔ میرے دل کو اپنی فرمانبرداری میں قائم رکھ۔) ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دل کا تبدیل ہونا۔ پلٹنا۔ اسی گوشت کے ٹکڑے سے مراد ہے نہ کوئی اور چیز سے۔ کیونکہ آپ کا قلب حقیقی تو بلاشبہ مطمئن (مطمئنہ) تھا بلکہ آپ کا نفس بھی مطمئن (نفس مطمئنہ[1]) تھا۔ یہ آپ کے قلب حقیقی کی نگرانی اور سیاست کی وجہ سے مطیع و منقاد تھا۔

---

[1] حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے نفس مطمئنہ پر بڑے گراں قدر اور اہم نکتے بیان فرمائے ہیں۔ جو اہل علم کے لیے مشعل راہ ہیں۔ صوفیائے کرام نے نفس مطمئنہ پر بہت کچھ کہا ہے۔ نفس امارہ وہ سرکش نفس ہے جو شیطان کے اشارے سے انسان کو ہر وقت سرکشی بغاوت اور فساد پر آمادہ رکھتا ہے۔ نفس لوامہ اپنی سرکشی اور کوتاہیوں پر اپنے آپ کو ملامت کرتا رہتا ہے۔ ہر معصیت پر ملامت کرتا ہے اسی کو قرآن نے لا اُقسم بالنفس اللوامۃ۔ (میں ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں) ملامت زدہ نفس جب اصلاح و تہذیب کے اعلیٰ مراتب پر پہنچ جاتا ہے تو اسے اطمینان نصیب ہو جاتا ہے اسے نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔ پھر وہ اس خطاب سے نوازا جاتا ہے یا اَیَّتُھَا النَّفْسُ المطمئنہ

صاحب عوارف المعارف کا ایک نکتہ

حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ نے عوارف المعارف میں لکھا ہے کہ الہام نفسِ مطمئنہ کی صفت ہے۔ جس نے قلب کے مقام پر عروج کیا ہے اس وقت نفس کی تمام تبدیلیاں اور رنگ آمیزیاں نفس مطمئنہ کی بدولت ہوتی ہیں"۔

ہمارے نزدیک صاحب عوارف المعارف کا یہ قول احادیث نبویہ کے خلاف ہے اگر حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ کو اس مقام پر خود عروج ہوتا تو اس مقام کی حقیقت حال کو بیان فرمانے میں کامیاب ہو جاتے اور جو کچھ میں نے بیان کیا ہے وہ اسکی صداقت کو پالیتے اور اس حقیقت میں کشف الہام نفس مطمئنہ کی بجائے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے مطابق ہوتے۔

سابقہ صفحہ سے:۔ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی و ادخلی جنتی ط (اے نفس مطمئنہ! تم اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ تم اس سے راضی ہوا اور وہ تم پر راضی ہو گیا ہے اب تم اس کے نیک بندوں میں داخل ہو جاؤ۔ اسکی بنائی ہوئی جنت میں قیام کرو)

قرآن نے خود طریقہ بتایا ہے کہ نفس مطمئنہ کو حاصل کرنے کے لیے الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب۔ اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہو جاتے ہیں)

ابلیس نفس انسانی پر قابض ہونے پر ہر وقت کوشاں رہتا ہے وہ نفس کی جلالی اور گمراہی کا مظہر ہے۔ وہ انسان کے نفس پر قبضہ کر کے اسے اپنی اولاد (شیاطین) کے حوالے کر دیتا ہے جو اسے حیوانی عادات کا خوگر بنا کر دل میں شہوانی آگ بڑکاتے رہتے ہیں۔ شہوانی آگ نے حیوانی عادات سے نکاح کیا تو اس سے شیاطین خصلت جن وانس بنتے چلے گئے۔ ابلیس کے وجود میں ننانوے مظاہر ہیں۔ ان مظاہر میں لاتعداد دلچسپیاں اور دلکشیاں ہیں۔ اس کے مقابلے میں اہل ایمان اور اہل اللہ کو اسمائے الٰہی

آپ اگر میری گزارشات پر غور فرمائیں تو گوشت کا یہ ٹکڑا (قلب کی حقیقت کا حصہ) خلیفہ ہوتا ہے اور خود اس پر الہام وارد ہوتے ہیں اور یہی صاحبِ احوال و تلونیات ہو جاتا ہے۔ یہ باتیں اگرچہ جاہل، متعصب اور حقیقت سے ناآشنا حضرات پر ناگوار گزرتی ہیں لیکن صداقت کو بیان کرنا میری ذمہ داری ہے اہل بصیرت ذرا غور فرمائیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اِنَّ فِی جَسَدِ بنی آدم لمضغتہ اذا اَصْلَحَت صَلُحَ الجَسَدَ۔ کلہ وَ اذا فَسَدَت فَسَدَ الجَسد کلہ

(بے شک انسانی بدن میں گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے جو تندرست ہو تو تمام کا تمام بدن تندرست رہتا ہے لیکن جب وہ بیمار ہو جائے تو سارے کا سارا بدن خراب ہو جاتا ہے) یہ مضغہ یا گوشت کا ٹکڑا قلب ہی ہے۔

سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی قلب یا گوشت کے ٹکڑے کو جسم کی درستگی اور خرابی کا منبع بتایا ہے لہذا جو کچھ قلب حقیقی کے لیے درست ہے وہی اس گوشت کے ٹکڑے کے لیے درست ہے۔ خواہ یہ بات نیابت اور خلافت کے

سابقہ صفحہ سے :- کی سات امہات عطا کیے گئے ہیں۔ جن کے زور سے شیاطین کے ان بیشمار ترغیبات اور شہوات کا مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔ ابلیس کے گمراہ کرنے والے آلات میں سے غفلت۔ شہوت۔ ریاست۔ جہل۔ لہو و لعب۔ شراب اور قصے کہانیاں اور عورتیں بڑی مشہور ہتھیار ہیں ابلیس گمراہی پھیلانے میں کسی خاص روش کا پابند نہیں۔ کسی ایک قسم کے گناہ میں پھانسنے پر مصر نہیں، وہ انسان کو ہر صورت سے گمراہی کی وادی میں دھکیلتا جاتا ہے۔ نفس امارہ اس کے تابع ہوتا ہے وہ اندر سے انسان کو ابلیس کی ترغیبات کے لیے آمادہ کرتا رہتا ہے۔ ان تمام آلات کے باوجود چونکہ روح کی فطرت میں اطمینان ہے وہ اس کے دام فریب سے بچ نکلتا ہے اور اسے نفس مطمئنہ کی بنا پر اللہ کی رضا حاصل ہو جاتی ہے۔ (فاروقی)

طور پر ہو۔ایک بات اور ذہن نشین کرلیں کہ جب روح جسدِ خاکی سے پرواز کرتا ہے تو عارف واصل کے لیے چونکہ قلب پر پورا اختیار ہو چکا ہوتا ہے وہ روح کی اس جُدائی سے جسم کی قوّت سے تو محروم ہو جاتا ہے مگر روح اس کے مقام قلبی کو بے کار نہیں کر سکتی۔ وہ نہ تو اس کے ساتھ پیوستہ رہتی ہے نہ اسے جدا کر سکتی ہے وہ محسوس کر سکتا ہے کہ روح کا ایک جسم کے ساتھ ایک تعلّق ضرور تھا جس کی وجہ سے خاکی جسم کی درستگی تھی مگر دوسری طرف روح کی درستگی کے جو کمالات اور مقامات ہوتے ہیں وہ موت کے باوجود اس سے جدا نہیں ہوتے اگر یہ تعلق نہ ہوتا تو جسم اپنے تمام لوازمات کے ساتھ تمام شر اور نقص بن جاتا۔ بعینہٗ یہی صورت روح وغیرہ کے ساتھ واجب تعالیٰ کی ہے (یعنی جسدِ خاکی سے روح کی علیحدگی سے اللہ تعالیٰ کے تعلّق سے محرومی نہیں ہوتی) چنانچہ ذاتِ واجب تعالیٰ نہ عالم میں داخل ہے نہ اس سے خارج ہے۔ نہ اس کے ساتھ پیوستہ ہے نہ اس سے جُدا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا عالم روح اور عالم قلب کے ساتھ ایک تعلق ضرور ہے۔ یہ تعلق عالم کو قائم کرنے۔ باقی رکھنے۔ کمالات کے فیضان اور نعمتوں اور بھلائیوں کے لیے مستعد بنانے کا تعلّق ہے۔

ایک اعتراض اور اُس کا جواب

میری ان گزارشات کے بعد بعض حضرات یہ اعتراض اٹھائیں گے کہ علماء کرام اور صوفیاء عظام نے روح کے سلسلہ میں اس قسم کی کوئی گفتگو نہیں فرمائی۔ بلکہ انہوں نے اس قسم کی بحث کو بھی جائز نہیں سمجھا اور آپ علماء و مشائخ کے تمام خیالات سے اتفاق بھی کرتے ہیں۔ اور احترام کے ساتھ اُن سے ہم نوا بھی ہوتے ہیں۔ اب روح کے معاملہ میں اس انداز سے گفتگو کیوں فرمائی جا رہی ہے۔؟

میں اس سلسلہ میں یوں عرض کردوں گا۔ پہلے تو ان میں سے اکثر حضرات روح کے معاملہ میں حقیقت حال سے واقف نہیں ہیں جنہیں روح کے متعلق علم ہے وہ اس کے روحانی کمالات پر گفتگو نہیں کر سکے۔ بعض نے اجمالی اشارے کیے ہیں بعض نے اجتناب فرمایا ہے انہیں یہ خدشہ تھا کہ عوام کی کج فہمی اور کوتاہ علمی ان نکات کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ کہیں وہ اپنی نافہمی کی وجہ سے گمراہی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ لہٰذا ان حضرات نے خاموشی کو بہتر سمجھا ہے وہ جان بوجھ کر اس بات سے بچتے رہتے ہیں۔ کیونکہ روحانی کمالات کی معرفت نہایت مشکل امر ہے۔ روحانی کمالات اور کمالات وجودیت کے درمیان بڑا خفیف سا فرق ہے اس فرق کو صرف راسخ العلم علماء ہی محسوس کر سکتے ہیں لہٰذا انہوں نے اجمال اور اختصار سے کام لیا اس کی حقیقت اور وضاحت پر خاموشی اختیار کرنا ہی مناسب سمجھا۔ وہ حضرات ان کمالات کے منکر نہیں تھے۔ اس پر مہر بلب ضرور تھے۔ میں نے ان معاملات کو اپنے علمی اعتماد اور وسیع واقفیت کی وجہ سے بیان کیا ہے اور یہ اعتماد اور معرفت مجھے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد سے حاصل ہوئی ہے۔ یہ سعادت مجھے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر شفقت کے صدقہ سے میسر آئی ہے اور میں نے ان تمام شبہات کا ازالہ کر دیا ہے جو اس موضوع پر وارد ہوتے ہیں۔

یاد رہے جس طرح جسم روح سے بے شمار کمالات حاصل کرتا ہے اسی طرح روح بھی جسم سے بے شمار فوائد کا اکتساب کرتا ہے یہ جسم ہی ایک ایسی مشینری ہے جس سے روح دیکھنے والا، سننے والا۔ اور گفتگو کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ یہ جسم کے اندر اپنا مقام بناتا ہے اس کے بعد جسم کے تمام اعمال و حرکات اور افعال کا محاسبہ کرتا ہے۔ جسم کو حاصل کیے بغیر روح محض ایک نور رہ جاتا ہے اس کے محرکات اور فیوضات ختم ہو جاتے ہیں۔

عقل معاد جب نفس مطمئنہ روحانیوں کے ساتھ ملحق ہو جاتا ہے جس کی تفصیل ہم اوپر بتا چکے ہیں تو عالم اجساد میں عقل اس کی جگہ پر اسکی نائب اور خلیفہ بن کر بیٹھتی ہے۔ اس کا نام عقل معاد[۱۶] ہوتا ہے۔ اب اس کا تمام فکر و اندیشہ تمام کا تمام آخرت کے لیے ہی مختص ہوتا ہے اور وہ زندگی اور اس کے متعلقات کے فکر سے بے نیاز ہو جاتی ہے اور قدرت کی طرف سے جو نور عطا ہوتا ہے اس کی بدولت اسے فراست ملتی ہے۔ یہ مقام کمالات عقل کے انتہائی مرتبوں میں سے ہے۔

ایک اعتراض کا جواب اگر کوئی بر خود غلط شخص یہ اعتراض اٹھائے کہ عقل کے مراتب کمالات کی انتہا تو یہ ہونی چاہیے کہ وہ معاد اور معاش دونوں کو بھول جانے میں پختگی حاصل کرے کیونکہ ابتداء میں بھی اس کی فکر کا مرکز خواہ دنیا ہو خواہ آخرت ہر جگہ سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ نسیان اثنائے راہ میں فنا فی اللہ کے مقام میں اسے حاصل ہوا تھا۔ لیکن یہ کمال اس مقام سے بہت منزلیں آگے کا ہے۔ یہاں تو حصول جہل

۱۶: حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے عقل معاد کی اصطلاح کو بیان بھی فرمایا ہے۔ اسکی تعریف بھی فرمائی ہے۔ پھر اس کے منصب اور طریق کار پر بھی اظہار خیال کر کے اہل بصیرت کو روشنی بخشی ہے مگر اصطلاحات صوفیہ میں عقل اول۔ عقل کلی۔ عقل معاش کی تشریحات اور توضیحات ملتی ہیں۔ عقل مطلق اور عقل کل کی اصطلاحات بھی صوفیا کرام کی تحریروں میں پائی جاتی ہیں۔ عقل معاد اور عقل کی دوسری اقسام میں جو لطیف فرق ہے اسے مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی تشریحات نے اہل بصیرت کو بڑی روشنی بخشی ہے۔

(فاروقی)

کے بعد علم کا واپس کرتا ہے اور جمع کے تفریقات کے بعد فرق و امتیاز کا دوبارہ لوٹنا ہے اور کفر طریقت کے بعد جو مرتبہ جمع میں حاصل ہوتا ہے۔ اسلام حقیقی کا حاصل ہونا ہے۔ فلاسفہ نے اپنی بیوقوفانہ حرکات اور خیالات سے عقل کے متعلق بے سروپا مفروضے قائم کیے ہیں انہوں نے عقل میں چار مراتب قائم کیے ہیں۔ پھر ان چار مرتبوں کو ہی کمالات عقل سمجھ لیا ہے یہ ان کی انتہائی حماقت ہے عقل کو ان کے کمالات کے باوجود وہم کے ساتھ نہیں سمجھنا چاہیے ان حقائق کو سمجھنے کے لیے ایسے کشف اور الہام صریح کی ضرورت ہے جو انوار نبوت کے فانوس سے مقتبس ہوں

عقل ہے نا تمام ابھی   خرد ہے بے یقین ابھی

صلوٰت اللہ تعالیٰ وتسلیماتہٗ علیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین عموماً وافضلہم حبیب اللہ خصوصاً۔

ایک اور اعتراض

بعض لوگ یہ اعتراض بھی سامنے لاتے ہیں کہ بزرگان دین اور مشائخ نے عقل کو روح کا ترجمان قرار دیا ہے؟ ہمارے پاس اس کا یہ جواب ہے کہ جو علوم و معارف روحانی طور پر مبداء فیاض سے جاری ہوتے ہیں۔ انہیں قلب (جس کا تعلق عالم ارواح سے ہوتا ہے) اخذ کر لیتا ہے اس قلب کی ترجمان عقل ہوتی ہے جو انہیں ضبط تحریر میں لاکر ان کا خلاصہ تیار کر کے ان اربابِ علم کی راہنمائی کرتی ہے اور اسے قابل فہم بناتی ہے۔ جو لوگ عالم خلق میں گرفتار ہیں اگر عقلی دنیا کے لوگوں کی ترجمانی نہ کرے تو وہ مطالب ان کی فہم و ادراک سے بالاتر رہیں گے جو معارف روحانیت سے آتے ہیں ہم سابقہ صفحات میں بیان کر آئے ہیں کہ رفتہ قلبیہ حقیقت جامعہ قلبیہ کا خلیفہ ہے اس لیے اس نے بھی اصل کی حیثیت اختیار کر لی ہے اس کی اخذ کرنے کی صلاحیت بھی روحانی ہوتی ہے اسے بھی ترجمانی کی ضرورت ہے اور کسی

ترجمان کی محتاج ہے۔

یاد رہے کہ عقل معاد پر ایک ایسا وقت بھی آجاتا ہے کہ نفس مطمئنہ کی قربت اور ہمسائیگی کا باعث بن جاتا ہے اور یہ شوق اس حد تک بڑھتا ہے کہ عقل معاد نفس مطمئنہ کے مقام تک پہنچ جاتی ہے اس حالت میں عقل معاد قالب کو خالی اور تہی دست چھوڑ جاتی ہے۔ تعقل اور تذکرہ کی صلاحیت بھی (عقل معاد کی بجائے) اسی قلبی لوتھڑے میں قرار پا جاتی ہے۔

اِنّ فِی ذٰلِک ذکریٰ لِمَن کَانَ لَہٗ قلب (اس حقیقت میں ان لوگوں کے لیے نصیحت ہے جو قلب رکھتے ہیں) ایسے وقت میں وہی قلب اپنا ترجمان بن جاتا ہے۔اس وقت عارف کا معاملہ قالب کے ساتھ یکساں ہوتا ہے اس کا آتشی جز وجو اَنَا خَیرٌ مِنہٗ (میں اس سے بہتر ہوں) کی صدائیں لگاتا ہے۔ مطیع و منقاد ہو جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ اسلام حقیقی کے شرف سے مشرف ہو جاتا ہے چنانچہ کارکنان قضا وقدر ابلیسی خلقت کو اس سے دُور کر دیتے ہیں۔ اے نفس مطمئنہ کے اصل مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے اور اس کا نائب مناب اور قائم مقام قرار دیا جاتا ہے قالب (جسم) میں قلب حقیقی کا خلیفہ وہی لوتھڑا ہے جو قلب کے نام سے مشہور ہے اور نفس مطمئنہ کا قائم مقام بن جاتا ہے۔

ذرہ شد مس وجود من از کیمیائے عشق

جسم انسانی کا ایک اور جزو ہے جسے جزو ہوائی کہا جاتا ہے اسے روح کے ساتھ بڑی مناسبت ہے۔ چنانچہ سالک جو ہوا اور فضا میں پہنچتا ہے اس تک عروج حاصل کر لیتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسی ہوا کو حقانیت کا عنوان سمجھ لیا جاتا ہے اور اس میں گرفتار ہو جاتا ہے جسے روح کے مقام پر بسا اوقات ایسا مغالطہ ہو جاتا ہے اور سالک اسی غلط مشاہدہ میں گرفتار ہو کر رہ جاتا ہے۔

بارگاہِ قدس خداوندی کے حضور حاضر ہو جاتی ہے اور پھر اس قالب سے مکمل علیحدگی اختیار کر لیتی ہے اور قالب بھی پورے طور پر اپنے تمام اجزا کے ساتھ مقام مراتب کے ساتھ مقام شہود و حضور میں قرار پاتی ہے۔ اور ماسوا کے دید و دانش سے مکمل طور پر روگرداں ہو جاتی ہے۔ اس موقع پر قالب مکمل طور پر مقام اطاعت اور بندگی میں واضح ہو جاتا ہے۔ یہ ہے۔ فرق بعد الجمع (یعنی جمع ہونے کے بعد جُدا ہو جانا) واللہ سبحانہٗ الموفق للکمالات ط

مجھے (مجدد الف ثانی) اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر خصوصی رسائی عطا فرمائی ہے۔ یہ مقام روح کے اپنے تمام مراتب کے ساتھ عالم خلق کی طرف لوٹ آنے کا مقام ہے تاکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی طرف دعوت دے اور روح اس وقت قالب کی طرح ہی ہوتا ہے اور تمام امور اسی کی اتباع میں سر انجام دیتی ہے پھر یہ معاملہ اتنی یک جہتی سے چلتا ہے کہ اگر روح حاضر ہو تو قالب بھی حاضر ہوتا ہے اگر قالب غافل ہو تو روح بھی غافل ہوتی ہے۔ ہاں نماز ادا کرتے وقت روح اپنے تمام مراتب کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں حاضر اور متوجہ ہوتی ہے خواہ قالب غافل ہی کیوں نہ ہو۔ اسی لیے نماز مومن کی معراج کہلاتی ہے۔

دعوت کا ایک اہم مقام

واصل شخص کا ایسا رجوع جس کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ دعوت کے کامل ترین مقامات میں سے ہے غفلت ایک جمع کثیر کی حضوری کا سبب بنتی ہے غافل اس غفلت سے غافل ہیں۔ اور جو صاحب حضور ہیں وہ اس رجوع سے لاعلم ہیں یہی وہ مقام ہے جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے لیکن ظاہراً ہم غفلت کو قابل صد مذمت گردانتے ہیں۔ ہر کوتاہ اندیش کی رسائی اس نکتہ کو نہیں سمجھ سکتی اگر میں اس غفلت کے کمالات کو بیان کر دوں تو صاحب حضور حضرات اپنے مقام کو

بعض مشائخ نے کہا ہے کہ میں تیس سال تک روح کو ہی خدا سمجھ کر اسکی عبادت کرتا رہا ہوں ۔ جب کارکنان قضا و قدر نے مجھے اس مقام سے نکال دیا تو مجھے ہوش آیا اور حق باطل سے جدا ہوا ۔ یہ جزو ہوائی لبا اوقات روح کا ہم جنس ہوتے ہوتے قالب میں روح کا قائم مقام بن جاتا ہے اور بعض مقامات میں وہ روح کا ہم پلہ بن جاتا ہے ۔ جسم انسانی کا تیسرا جزو آبی ہے ۔ یہ حقیقت جامعہ قلبیہ سے مناسبت رکھتا ہے اسی لیے اس کا فیض تمام چیزوں کو پہنچتا ہے ۔ جسم انسانی کا چوتھا جزو خاکی (مٹی) ہے یہ بدن اور قالب کا جزو اعظم ہے ۔ یہ اپنی کمینگی اور خست کی آلودگی سے جو اسکی جبلت ہے ۔ پاکی حاصل کرنے کے بعد اس قالب میں حاکم اور غالب ہو جاتا ہے ۔ قالب میں جو کچھ بھی ہے اس کے حکم میں ہو جاتا ہے ۔ اسی کا رنگ اختیار کر لیتا ہے ۔ اسکی یہ حقیقت اسکی مکمل جامعیت اور برتری کی وجہ سے ہوتی ہے کیونکہ قالب کے دوسرں اجزا تو بہت تھوڑے ہوتے ہیں جو اسی کے کمزور جزو ہوتے ہیں ۔ اسی وجہ سے زمین ہی عناصر اور افلاک کا مرکز قرار دی گئی ہے اور زمین کا مرکز ہی پوری دنیا کا مرکز ہے ۔ اس وقت قالب کا معاملہ بھی انجام کو پہنچ جاتا ہے اور انتہائی عروج و زوال کے مقامات حاصل کرتا ہے ۔ تکمیل کا کمال اس وقت حاصل ہو جاتا ہے یہ وہ انتہا ہے جو ابتدا کی طرف رجوع کرتی ہے ۔

فرق بعد الجمع

روح اپنے مراتب اور اپنی تابع چیزوں کے ساتھ اگرچہ عروج کے طریقے پر اپنے مقام تک پہنچ چکی ہوتی ہے لیکن ابھی اسے اپنے قالب کی تربیت درپیش ہوتی ہے ۔ اس لیے اسے دنیا کی طرف متوجہ رہنا پڑتا ہے جب قالب کا معاملہ مکمل ہو جاتا ہے تو روح اپنے دوسرے لطائف سر ۔ خفی ۔ اخفی (یعنی قلب ۔ نفس اور عقل) کے ساتھ

چھوڑ کر مقام غفلت کو اختیار کرنے لگیں یہی وہ غفلت ہے جو انسانوں میں خواص حضرات کو خواص ملائکہ سے بلند مرتبہ بنا دیتی ہے اسی غفلت کی وجہ سے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم رحمتہ للعالمین کے مقام پر فائز ہوئے اسی غفلت کی بدولت ولایت کے مقام سے انبیاء کرام منصب نبوت کو پہنچے۔ یہی وہ غفلت ہے جس نے بعض انبیاء کرام کو رسالت کے مقام پر سرفراز فرمایا۔ یہی وہ غفلت ہے جس نے معاشرہ میں کام کرنے والے اولیاء اللہ اور گنہگاروں کو بیدار کرنے والے مشائخ کو گوشہ نشین اولیاء اللہ پر ترجیح دیا ہے۔ یہی وہ غفلت ہے جس نے سیّدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے سبقت دے کر دنیا کا بلند ترین مقام دیا۔ ورنہ صدیق اکبر اور سرکار دوعالم کی قربت کا یہ عالم تھا کہ ایک گھوڑے کے دونوں کانوں سے تشبیہ دی گئی تھی۔ یہی وہ غفلت ہے جو ہوش (صحو) کو سُکر (بے خودی) میں تبدیل کر دیتی ہے یہی وہ غفلت ہے جو نبوت کو ولایت سے بلند مرتبہ قرار دیتی ہے۔ یہی وہ غفلت ہے جسکی وجہ سے قطب ارشاد قطب ابدال پر فضیلت رکھتا ہے۔ یہی وہ غفلت ہے جسکی سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہمیشہ آرزو کیا کرتے تھے۔ یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ سَہْوَ مُحَمَّدٍ ط (کاش مجھے حضور کی ایک بھول نصیب ہو جاتی) یہی وہ غفلت ہے جس کے سامنے حضوری (ہوشمندی) خادم کی حیثیت سے کھڑی رہتی ہے ہاں یہی وہ غفلت ہے! جو لوگوں کی نظر میں تنزلی مگر حقیقت میں ترقی اور بلندی ہے ہاں ہاں یہی وہ غفلت ہے جو خواص کو عام میں لا کھڑا کرتی ہے اور وہ عوام میں گھُل مل کر اللہ کی دعوت اور تبلیغ کا کام کرتے ہیں اور گنہگاروں کو اللہ کی قربت میں لاتے ہیں۔

ے گر بگویم شرح این بے حد شود

ترجمہ: اگر میں اس نکتہ کی تشریح کروں تو ایک بحرِ بے کراں بن جائے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قلیل کثیر کی دلالت بن جاتا ہے۔ ایک قطرہ بحرنا پید اکنار بن جاتا ہے

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ سَیِّدِ الْمُصْطَفٰی

عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ مِنَ الصَّلَوٰتِ وَالتَّسْلِیْمَاتِ اَتَمَّهَا وَاَکْمَلَهَا۔

سیّد المرسلین کا امتیازی مقام

سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء اور رُسل میں ایک امتیازی اور مخصوص مقام رکھتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ آپ کو تجلّی ذات کا منصب حاصل ہے اسی دوست عظمیٰ کی وجہ سے آپ کی بارگاہ بھی بلند ترین ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کی پیروی کرنے والے اولیاء اللہ بھی بلند مراتب پر فائز ہوتے ہیں۔ اس سے لوگوں کو یہ نتیجہ اخذ نہیں کرنا چاہیے کہ امت محمدیہ کے اولیا کاملین حضرات انبیاء سے بھی بلند مرتبہ کے مالک ہیں۔ یہ عقیدہ اہلسنت و جماعت کے نظریہ کے خلاف ہے اور یہ فضیلت کوئی جزئی فضیلت نہیں۔ ہم اسے فضیلت کلی قرار دیتے ہیں کیونکہ اللہ کے بندوں کا ایک دوسرے سے افضل ہونا قرب خداوند   ُنے سے ما پا جاتا ہے یاد رہے انبیا کرام کے مقابلہ میں جو فضیلت بھی ہو وہ کم ہی کم ہے۔

میرا خیال ہے کہ اُمت محمدیہ کے کاملین کا قرب خداوندی میں حصّہ ہونا یا کسی اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس مقام پر واصل بھی ہو چکے ہوں فضیلت کا انحصار تو واصل ہونے پر ہوتا ہے۔ اس امّت جو خیر الامم کے کاملین کا انتہائی عروج (مقام) انبیاء علیہم السلام کے قدموں کے نیچے ہی ہوتا ہے۔ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ باوجودیکہ انبیاء علیہم السلام کے بعد پوری انسانیت میں سب سے بلند درجہ اور افضل ترین شخصیت ہیں۔ لیکن ان کا انتہائی عروج (مقام) بھی کسی نبی کے مقام کے   نیچے تک ہے۔ اور یہ درجہ تمام انبیا کے درجات سے کم تر ہے۔

اس بحث کا یہ نتیجہ ہے کہ اس اُمّت محمدیہ کے اکابرین اور واصلین اس مقام میں

جو فوق الفوق کے کمالات سے نیچے مقام ہے پورا حصہ حاصل ہے۔ یہ فوق الفوق کا مقام ان کے پیغمبر کے ساتھ مخصوص ہے خادم جہاں کہیں بھی ہو اسے اپنے مخدوم کا پس خوردہ پہنچ جاتا ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دور کا خادم بھی اپنے مخدوم کے دستر خوان سے کچھ حاصل کر لیتا ہے لیکن بعض اوقات نزدیک رہنے والے خدمت کی دولت کے بغیر کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔

در قافلہ کہ اوست۔ دانم نہ رسم
ایں بس کہ رسد ز دور بانگ جرسم

(ترجمہ: جس قافلہ میں میرا محبوب ہے میں وہاں نہیں پہنچ سکتا۔ مجھے اتنا ہی کافی ہے کہ دور سے اس قافلے کی گھنٹیوں کی آواز سنائی دیتی ہے۔)

شیخ اور مرید کا تعلق

یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ بعض اوقات مریدوں میں یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ راہ سلوک میں اپنے پیر و مرشد میں مساوات کا درجہ حاصل کیے ہوئے ہیں حالانکہ جس نظریہ کو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ وہی اصل میں درست ہے۔ مساوات کا درجہ تو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب مرید بھی واصل ہو جائے۔ ان مقامات کو صرف حصول مرتبہ پر منحصر نہیں جاننا چاہیے۔ کیونکہ یہ حصول تو طفیلی ہوتا ہے یعنی مرید کو یہ مقام اپنے پیر و مرشد کے طفیل نصیب ہوتا ہے باایں ہمہ ہم یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ زندگی میں کوئی مرید اپنے مرشد یا شیخ کا ہم پایہ یا بلند پایہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ایسا نہیں ہے بلکہ مساوات ممکن بھی ہے اور جائز بھی ہے۔ بہت سے مقامات پر ایسا ہوا بھی ہے کہ مرید نے اپنے مرشد سے بلند مرتبہ پر ترقی کی ہے۔ ہم تو صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کسی مقام کے حاصل ہونے اور اس مقام پر واصل ہونے میں نہایت باریک فرق ہے ہر مرید کو اس دولت کی طرف ہدایت حاصل نہیں ہوتی۔ اس باریک نکتہ کو سمجھنے کے لیے صحیح کشف اور

صریح الہام درکار ہے۔

وَاللّٰہُ سُبحانہٗ اَعلم بالصّوابِ والسّلامُ علٰی مَن اتّبع الھُدٰی ط

راہِ سلوک میں پیش آنے والے واقعات

مجھ سے ایک سالک نے دریافت کیا کہ اسکی کیا وجہ ہے کہ اس راہ پر چلنے والے کو ایک ہی حالت پیش آتی ہے اور ایک عرصہ تک وہ برقرار رہتی ہے اور اس کے بعد وہ کیفیت غائب ہو جاتی ہے اور ایک مدت کے بعد پھر وہی حالت ظاہر ہو جاتی ہے اور کچھ زمانے کے بعد پھر غائب ہو جاتی ہے۔

مَیں نے اس کا جواب یہ دیا کہ ہر آدمی کے سات لطیفے ہوتے ہیں اور ہر لطیفہ کی حکمرانی اور اقتدار کی مدت جداگانہ ہوتی ہے اگرچہ وارد ہونے والی حالت ان میں لطیف ترین لطیفہ پر وارد ہوتی ہے تو دوسری قوی حالت بھی اس پر نزول کرتی ہے اس طرح سالک کی مجموعی کیفیت اسی قوی لطیفہ کے رنگ میں رنگی جاتی ہے اور وہی حالت تمام لطیفوں پر چھا جاتی ہے جب تک اس لطیفہ کے اثرات قائم رہتے ہیں۔ لطیفہ کا غلبہ قائم رہتا ہے۔ جب یہ غلبہ ختم ہو جاتا ہے تو وہ کیفیت بھی زائل ہو جاتی ہے اور ایک مدت کے بعد وہی حالت دوبارہ لوٹ آتی ہے۔ اگر یہ حالت پہلے لطیفے پر لوٹتی ہے تو سالک پر ترقی کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں اگر کسی دوسرے لطیفے پر وارد ہو تو ترقی کے راستے کھل جاتے ہیں۔ اس طرح مختلف لطائف ایک دوسرے کی کیفیتیں قبول کر کے سالک کی ترقی کا ذریعہ بنتے جاتے ہیں۔ اگر وہ کیفیت تمام لطیفوں میں اصالۃً سرایت کرے تو سالک صاحب حال سے صاحب مقام ہو جاتا ہے پھر زوال سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

وَاللّٰہُ سبحانہٗ اَعلَم بِحَقِیقَۃِ الحال والصّلوٰۃ والسّلام علٰی سیّد البشر و الہ الاطھیر۔

کُلُوا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ کی ایک عمدہ تشریح

قرآن کریم نے اہلِ ایمان کو پاکیزہ اشیاء کھانے کا حکم دیتے ہوئے اعلان کیا کہ "اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں سے کھالو۔ جو ہم نے تمہیں بطور رزق عطا فرمائی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔ اس آیۃ کریمہ میں کھانے کے بعد اسی کی عبادت کرنے کی شرط نظر آتی ہے یعنی جو کچھ ہم نے تمہیں رزق دیا ہے اس میں سے لذیذ چیزیں کھاؤ۔ بشرطیکہ تمہاری طرح سے یہ بات صحیح ہو کہ تم عبادت کرتے وقت صرف اللہ تعالیٰ کو ہی اپنا معبود اور مخصوص بالعبادت جانتے ہو اگر ایسا نہیں اور تم لہو و لعب میں ڈالنے والی خواہشات کے پیچھے دوڑ رہے ہو تو ان پاکیزہ چیزوں کو نہ کھاؤ۔ اس صورت میں تم بیمار ہو جاؤ گے۔ باطنی بیماریاں پیدا ہونے لگیں گی ان بیماریوں کے اثر میں اگر تم پاکیزہ چیزیں کھاؤ گے تو وہ تمہارے لیے زہر بن جائیں گی۔ ہاں اگر تمہارا باطنی مرض دُور ہو جائے تو تمہیں پاکیزہ اور لذیذ چیزیں فائدہ پہنچائیں گی۔ علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف میں طیّبات کی تفسیر مستلذات (لذیذ اور دل پسند چیزیں) کی ہے۔

معرفت کے بعد لغزش

ہمارے بعض مشائخ قدس سرہٗ نے فرمایا ہے۔ مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ لَا یَضُرُّہٗ ذَنْبٌ (جس شخص نے اللہ کی معرفت حاصل کر لی اسے گناہ نقصان نہیں پہنچا سکتا) یعنی وہ گناہ جو اس معرفت سے قبل مرتکب ہوئے تھے بھی نقصان نہیں دے سکتے۔ جس طرح اسلام لانے سے پہلے کی سرکشیاں اور کفریات کا اثر اسلام قبول کرنے کے بعد زائل ہو جاتا ہے۔ صوفیاء کے ہاں بھی معرفت کا مقام ایسا ہی ہے جیسے کفر سے اسلام کی طرف آنا ہے اور انہیں حقیقی اسلام فنا و بقا کے بعد ہی میسر آتا ہے۔ اس اصول

کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ معرفت الٰہی آنے سے قبل کے گناہ کے اثرات ختم ہو جاتے ہیں۔ اس مقام پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ گناہ صغیرہ جو معرفت کے بعد سامنے آئیں۔ بھی اثر انداز نہیں ہوتے۔ کبیرہ گناہ سے تو اولیاء اللہ محفوظ ہوتے ہیں۔ صغیرہ گناہ اس لیے اثر نہیں ڈالتے کہ اولیاء اللہ ان پر قائم نہیں رہتے اور اس کا تدراک کر کے یا استغفار کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں بعض حضرات کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ سے گناہ سرزد ہوتا ہی نہیں اور وہ گناہ کے ارتکاب سے کوئی دلچسپی نہیں لیتے۔ اس طرح جو شخص گناہ کرے گا نہیں اسے اس سے نقصان کا احتمال نہیں ہو گا۔

بعض ملحدین اور منکرین اولیاء اللہ نے اس قول سے یہ مراد لی ہے کہ عارف گناہ ضرور کرتا ہے لیکن اسے گناہ کا نقصان نہیں ہوتا۔ ہم اسے ہم اور باطل نظریہ قرار دیتے ہیں ایسے لوگ ازروئے قرآن شیطان کی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ خبردار شیطان کی جماعت ہمیشہ ہمیشہ خسارے میں رہے گی اے پروردگار! تو ہمارے دلوں کو ہدایت عطا فرمانے کے بعد کسی اور کوتاہی سے محفوظ رکھ اور ہمیں اپنی رحمت عطا فرما۔ یقیناً تو بہت کچھ دینے والا ہے۔

وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمدٍ وَآلِہٖ وسلم وبارِک ط

مجھے اللہ کی ذات جس کی مغفرت لامحدود اور بے تحاشا ہے یہ امید ہے کہ ایسے عارف جو اسلام کی حقیقت سے آشنا ہو چکے ہیں انہیں معرفت سے پہلے کے کردہ گناہوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ خواہ یہ گناہ مظالم اور حقوق العباد کے سلسلہ میں ہی سرزد ہو گئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ تو قادرِ مطلق ہے لوگوں کے دل اسکی انگلیوں میں ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے دلوں کو تبدیل کرتا ہے ہمارے نزدیک مطلق اسلام قبول کر لینا ہی سابقہ گناہوں سے کلیتاً نجات کا ذریعہ ہے

حالانکہ اس مقام پر بھی حقوق العباد کی ادائیگی سے برّیت نہیں ہوتی۔ مگر معرفتِ الٰہی کے حاصل کرنے کے بعد سابقہ گناہ بالکل ختم ہو جاتے ہیں۔

وجودِ باری تعالیٰ اور معرفتِ الٰہی

اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے وہ اپنے وجود کا محتاج نہیں اور اُسے موجود ہونے کے لیے وجود کی ضرورت نہیں ہے، حالانکہ باقی تمام چیزیں اپنے وجود کے ساتھ موجود ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ کو موجود ہونے کے لیے وجود کی ضرورت نہیں اور نہ ہی لوگوں کو یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ حق تعالیٰ کا وجود عین ذات ہے؎۔ اگر اللہ تعالیٰ کے وجود کو عین ذات ہونے کے اثبات تسلیم کریں تو ہمیں بڑے بلند اور بالا دلائل کا محتاج ہونا پڑے گا اور اس صورت میں ہمیں خصوصیت

؎ :۔ وجود کی اصطلاح پر صوفیا کرام نے بڑی طویل گفتگو کی ہے اور اس موضوع پر مشاہیر مشائخ اسلام نے اپنے اپنے نظریات کا اظہار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو وجود مطلق یا واجب الوجود ماننا یا نہ ماننا صوفیا کی ابحاث کا مرکز رہا ہے۔ مقتدر اولیاء اللہ کا ایک کثیر طبقہ اس فلسفہ کو فلسفہ وحدت الوجود کے نام سے یاد کرتا ہے اسی طرح ایک عظیم طبقہ اولیا اس سے انکار کرتے ہوئے فلسفہ وحدت الشہود کا تصور پیش کرتا ہے۔
فلسفہ وحدت الوجود کی ترجمانی حضرت محی الدین ابن عربی اور ان کے لاکھوں پیروکاروں نے کی ہے (رحمہ اللہ علیہم) اسی طرح فلسفہ وحدت الشہود لاکھوں اہلِ معرفت جن میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ جیسے نامور اہل عرفان ہوتے ہیں۔ کا محبوب موضوع رہا ہے۔ ہم اس طویل بحث میں قدم رکھنے کی ہمت اور نہ قابلیت نہیں رکھتے صرف اصطلاحات تصوف کی روشنی میں کہہ سکتے ہیں۔ کہ وجود سے مراد وجود حق تعالیٰ ہوتا ہے یہ نہ اعتبار ذہنی ہے نہ اعتبار خارجی۔ وجود نہ اطلاق میں مقید ہے نہ تقلید میں۔ نہ وہ کلی ہے نہ جزئی ہے نہ عام ہے نہ خاص ہے مراتبِ وجود کو صوفیا نے بڑی تشریح سے بیان کیا

کے ساتھ جمہور اہلسنت وجماعت کی مخالفت کرنا پڑے گی۔ کیونکہ یہ لوگ وجود عین ذات ہونے کے قائل نہیں تھے وہ وجود کو زائد سمجھتے تھے۔

اگر ہم ذاتِ خداوندی کو ایسے وجود کے ساتھ موجود کہیں۔ جو اسکی ذات پر زاید ہو۔ تو وجود کے زائد ہونے کا یہ نظریہ ہمیں اس مقام پر لے آئے گا کہ اللہ کی ذات واجب تعالیٰ وتقدس غیر کی محتاج ہے لیکن اگر ہم یہ کہیں کہ وہ اپنی ذات کے ساتھ موجود ہے اور اس وجود کو ہم عرف عام کی حیثیت سے لیں تو جمہور متکلمین اہل حق کی بات درست ہو جاتی ہے اور احتیاج کا اعتراض بھی پوری طرح دُور ہو جاتا ہے۔ یہاں دو باتوں میں واضح فرق ہے ایک یہ بات کہ واجب تعالیٰ کو اپنی ذات کے ساتھ موجود کہیں اور وجود کو اس میں بالکل دخل نہ دیں اور دوسری یہ بات کہ اسے وجود کے ساتھ ہی موجود کہیں، اور اس کے وجود کو عین ذات ثابت کریں۔ یہ

سابقہ صفحہ سے:۔ ہے پھر اس کی کئی ایک قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ واجب الوجود۔ واحد الوجود۔ وجود اکبر۔ وجود خارجی۔ وجود ذہنی۔ وجود ساری۔ وجود کبیر۔ وجود علمی۔ وجود مطلق وجود مکتسب غرضیکہ ہزاروں اقسام پر بحث کے دروازے کھلتے گئے ہیں۔ ہمارے مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے اپنی اس کتاب میں اور اپنے مکتوبات میں ان ابحاث پر بھی اپنے نظریات کا اظہار کیا ہے اور پوری قوت سے فلسفہ وحدت الوجود کی خرابیاں اور کوتاہیاں بیان کی ہیں متقدمین میں مشائخ۔ سہروردیہ۔ چشتیہ۔ قادریہ کے علاوہ نقشبندی حضرات نے بھی فلسفہ وحدت الوجود پر اظہار خیال کیا ہے اور اسے تسلیم کیا ہے مگر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان نظریات کی تائید فرمائی ہے۔ جو متقدمین میں فلسفہ وحدت الشہود کے نام سے دنیائے تصوف میں پائے جاتے تھے۔ ہمارے نزدیک۔ متقدمین سے قدرے آگے بڑھ کر حضرت مجدد نے اس نظریہ کی وضاحت فرمائی ہے جو مجددی حضرات کا آج تک طریقہ سلوک رہا ہے۔ (فاروقی)

معرفت ان خصوصیات میں سے ہے۔ جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مخصوص فرمایا ہے۔
میں اس بات پر اللہ کی حمد اور شکر ادا کرتا ہوں اور اس کے رسول کی بارگاہ میں درود
وسلام پیش کرتا ہوں۔

واجب الوجود پر مزید وضاحت

واجب الوجود تعالیٰ وتقدس کی خصوصیات میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ اپنی
ذات کے ساتھ موجود ہے اور اسکے موجود ہونے کے لیے کسی چیز کی احتیاج نہیں
ہے۔ خواہ اس وجود کو عین ذات کہیں یا ذات پر زائد کہیں۔ ان دونوں صورتوں میں
(عینیت اور زیادتی) میں وہی بات جس سے بچنے کی ہم کوشش کرتے ہیں۔ لازم
آتی ہیں۔ (عینیت ماننے کی صورت میں ہمیں لایعنی اور طویل دلیلوں کی تلاش ہو گی۔
اور جمہور اہلسنت وجماعت کے نظریات کی مخالفت ہو گی اور اگر ہم زائد مانیں تو حق
کی ذات کو غیر کا محتاج ماننا پڑے گا) یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے جو کچھ مرتبہ وجوب
میں پایا جاتا ہے۔ اس کا اظہار امکان کے ہر مرتبہ میں ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ عَلِمَهٗ
اَحَدٌ اَوْلَمْ یَعْلَمْ (اسے کوئی جانے یا نہ جانے) حق تعالیٰ نے عالم امکان میں اس
خصوصیت واجب الوجود کا ایک نمونہ وجود کو بنایا ہے۔ حقیقت میں وجود موجود نہیں
ہے اور اس کا شمار معقولات ثانیہ میں ہوتا ہے لیکن اگر ہم اس کے وجود کو فرض
کریں تو یہ بذاتِ خود موجود ہو گا نہ کہ کسی دوسرے کے وجود کے ساتھ برخلاف
دوسری موجودات کے کہ ان کا موجود ہونا وجود کا محتاج ہے خود ان کی ذاتیں
اپنے وجود کے لیے کافی نہیں ہیں۔ لہٰذا وہ وجود جسے لوگوں نے اشیاء کے موجود
ہونے میں دخیل تسلیم کیا ہوا ہے۔ اگر موجود ہو گا تو اپنی ذات کے ساتھ ہی
موجود ہو گا کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہو گا۔ خالق موجودات اپنی ذات کے
ساتھ مستقل موجود ہے۔ وہ قطعاً وجود کا محتاج نہیں۔ اس میں کوئی تعجب یا ابہام

نہیں ہے۔ حقیقت سے ناآشنا لوگ اگر اسے ناممکن یا بعید از دانست سمجھتے ہیں۔ تو اس میں کسی کا کیا قصور ہے۔ واللہ سبحانہٗ الملہم بالصواب۔

وجودیوں کا ایک استفسار

حکماء اور ماتریدیہ کے علاوہ بعض خودساختہ صوفیاء جو فلسفہ وحدت الوجود کو اپنا ایمان سمجھتے ہیں، بھی حق تعالیٰ کے وجود کے عین ہونے کے قائل ہیں۔ وہ بھی یہی بات کہتے ہیں۔ جو آپ (حضرت مجدد الف ثانی) نے معرفت کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے سابقہ ارشادات میں بیان کی ہے کہ واجب الوجود (ذات حق) بذاتِ خود موجود ہے نہ کہ وجود کے ساتھ لہٰذا یہ بات ایک ہی ہے کہ واجب الوجود ایک ایسے وجود کے ساتھ موجود ہے جو بذات خود ذات کا عین ہے۔ اسے کسی وجود کی محتاجی یا سہارے کی ضرورت نہیں۔ ان حالات میں آپ کا ان حضرات سے جداگانہ نظریہ قابل فہم نہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی کا جواب

ہم اس کے جواب میں یہی کہیں گے کہ اگر اس مفروضہ کو تسلیم کر لیا جائے تو اس مسئلہ میں اہلسنت کا ان وجودیوں (اشعریہ اور فلاسفہ) سے کوئی اختلاف نہیں رہتا۔ اس معاملہ میں اہل حق کو یوں کہنا چاہیے تھا کہ حق تعالیٰ وجود کے ساتھ موجود ہے بذاتِ خود موجود نہیں (تاکہ اختلاف کی کوئی شکل سامنے آتی) اس مفروضہ کی بناء پر وجود کی زیادتی کا ثابت کرنا غلط ہے لہٰذا وجود کے زائد ہونے کا دعویٰ اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ فریقین کا اختلاف وجود کے بارے میں نہیں بلکہ اس کے وصف کے بارے میں ہے آیا وہ اسکی ذات کا عین ہے یا ذات پر زائد؟۔ دونوں فریق اس بات کے قائل ہیں کہ حق تعالیٰ وجود کے ساتھ موجود ہے۔ اس بات میں ان میں کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف ہے تو صرف یہ ہے کہ

کہ وجود اسکی ذات کا عین ہے۔ یا اس کی ذات پر زائد۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب واجب الوجود اللہ تعالیٰ بذات خود موجود ہے تو واجب تعالیٰ کو وجود کہنے کے معنی کیا ہوں گے؟ کیونکہ موجود تو اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ وجود قائم ہو اور یہاں وجود مطلقاً ہے ہی نہیں۔

ہم اس سوال کا جواب مثبت طریقہ سے دیں گے۔ ایسا کوئی وجود جس کے ساتھ ذاتِ واجب تعالیٰ موجود ہو، واجب تعالیٰ میں نہیں پایا جاتا مگر ایسا وجود جسے عرف عام کے طور پر ذاتِ حق تعالیٰ پر بولا جاتا ہے اور وہ بطورِ اشتقاق اس پر محمول بھی ہو۔ اگر اس وجود کے قیام کے اعتبار سے واجب تعالیٰ کو موجود کہدیں تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے اور اس میں کوئی خطرہ لازم نہیں آتا۔

خدا کی ذات مشاہدہ رویت یا وہم وخیال میں نہیں آسکتی

ہم ایسے خدا کی پرستش نہیں کرتے جو شہود کے احاطے میں آسکے۔ جو دیکھا جاسکے۔ جو معلوم کی حدود میں اس سکے جو ہمارے وہم وخیال میں سما سکے مشہود، مرئی۔ موہوم اور خیال میں آنے والی چیز مشاہدہ کرنے والے دیکھنے والے جاننے والے وہم کرنے والے اور خیال کرنے والے کی طرح مخلوق اور پیدا شدہ ہے۔

اے برتر از خیال وقیاس وگماں ووہم
وز ہر چہ گفتہ اند شنیدیم وخواندہ ایم

سیر وسلوک کے مقاصد

سیر وسلوک کا مقصد پردوں کو چاک کرنا حجابات کو دُور کرنا ہوتا ہے خواہ یہ پردے وجوبی ہوں یا امکانی۔ بے پردہ وصال کی تمنا ہوتی ہے یہ نہیں کہ مطلوب کو اپنی قید میں لائیں اور اپنا شکار بنالیں۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چنین
کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

رہ گئی یہ بات کہ آخرت میں رویت باری تعالیٰ ہو گی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ ہمارا ایمان ہے ہم تو دنیاوی زندگی میں رویت باری تعالیٰ سے انکار کرتے ہیں۔ ہم آخرت میں رویت کی کیفیت کے اظہار سے معذور نہیں۔ کیونکہ عوام کی فہم اس ادراک سے قاصر ہے اس وجہ سے نہیں کہ خواص بھی اس کا ادراک نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے لیے تو اس مقام سے اس دنیا میں بھی حصہ ہوتا ہے اگرچہ اس کا نام رویت نہیں رکھا جاتا۔

اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ جو چیز دید و دانش میں آجائے وہ مقید ہوتی ہے مطلوب وہ ہوتا ہے جو کہ تمام قیود سے مبرا اور منزہ ہو لہٰذا اس مطلوب یعنی ذاتِ حق کو دید و دانش سے ماورا تلاش کرنا چاہیے۔ یہ معاملہ حد عقل سے بہت پرے کی چیز ہے۔ کیونکہ عقل انہی چیزوں کو تلاش کرنے میں ناکام ہوتی ہے جو دید و دانش سے ماورا ہوں۔

راز درون پردہ ز رندانِ مست پرس
کیں حال نیست صوفی عالی مقام را

(پردے کے اندر کے اسرار و رموز رندان مست سے پوچھیے۔ یہ کیفیت صوفی عالی مقام کی رسائی سے بہت دور ہے)

اطلاق محض ذاتِ مطلق اپنے اطلاق محض پر موجود ہے۔ اس کے ساتھ کسی قسم کی قید و شرط کو دخل نہیں ہے لیکن چونکہ اس کا ظہور مقید (مخلوق) کے آئینوں میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا عکس ان آئینوں کے احکام میں رنگ جاتا ہے اس لیے یہ مقید و مخلوق چیزیں دید و دانش میں آجاتی ہیں چنانچہ

دید و دانش کی حدود مطلوب کے ایک عکس پر اکتفا کر لیتی ہیں ۔ لیکن جو لوگ عالی ہمت ہوتے ہیں وہ محض اخروٹ یا منقیٰ سے سیر نہیں ہوتے وہ بلند مقام کی تلاش میں رہتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ بھی بلند ہمت لوگوں کو دوست رکھتا ہے ۔

فرشتوں پر انسان کی فضیلت

سلوک کی ابتدائی تربیت کے دنوں میں مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں ایک مکان میں طواف کر رہا ہوں ۔ بہت سے اور لوگ بھی میرے ساتھ طواف میں شریک ہیں لیکن ان لوگوں کی سست رفتاری اس حد تک ہے کہ میں پورا طواف کر تا ہوں تو وہ ابھی چند قدم اٹھانے میں کامیاب ہوتے ہیں ۔ پھر مجھے یوں معلوم ہوا کہ یہ مکان عرش سے بھی اوپر ہے اور یہ لوگ ملائکہ میں سے ہیں ۔ ہمارے نبی اور ان سب حضرات ملائکہ پر اللہ کی رحمتیں اور سلامتیاں نازل ہوں ۔ خدا اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے مخصوص فرما لیتا ہے [ش۱]

اولیاء اللہ ما فوق البشر نہیں ہیں

اولیاء اللہ کے حجابات اور پردے ان کے بشری صفات سے بنے ہوئے ہیں جن چیزوں کو اس کائنات ارضی پہ اپنے والوں کے دوسرے انسانوں کو ضرورت ہوتی

ش۱ :۔ اگرچہ ہمارے علماء و مشائخ نے اس موضوع پر مفصل اور مفید گفتگو فرمائی ہے اور علمائے اہلسنت نے متفقہ طور پر اللہ کے خاص اور مقرب بندوں کو ملائکہ سے بلند رتبہ قرار دیا ہے ۔ اور بڑی پختہ دلائل اور واقعات سے اپنے نظریات کو ثابت کیا ہے مگر حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا مشاہدہ اس سلسلہ میں ایک بہت بڑی دلیل ہے حالانکہ حضرت مجدد کو یہ مقام اللہ کے فضل سے اس وقت میسر ہوا ہے ۔ جب آپ سلوک کی ابتدائی منزلوں کو طے فرما رہے تھے ۔ آگے جا کر حضرت مجدد الف ثانی کے مقامات کی بلندیاں دنیا پر روشن ہو گئیں ۔ (فاروقی)

صفات بشریت کا معاملہ بھی بڑا عجیب وغریب ہے۔ یہ جس قدر اہل اللہ پر ظاہر ہوتی ہیں۔ دوسرے لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ظلمت وکدورت خواہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو۔ ہموار اور صاف ستھرے مقام پر زیادہ نمایاں ہوتی ہے مگر ناہموار اور گندھے ماحول میں زیادہ نمایاں نہیں ہوتی۔ صفات بشری کی تاریکیاں اور ظلمتیں عام لوگوں میں انکی مجموعی حیثیت سے بھی سرایت کر جاتی ہیں جسم۔ قلب اور روح پر مسلط ہو جاتی ہیں اس کے برعکس خواص پر یہ ظلمت محض جسم اور نفس تک محدود ہوتی ہے۔ خاص الخاص حضرات کا تو نفس بھی ان ظلمتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ صرف ان کا ظاہری جسم ہی ان ظلمتوں اور کوتاہیوں سے متاثر ہوتا ہے ایک اور بات یاد رکھیں کہ یہ جسمانی ظلمتیں عام لوگوں کے لیے خسارہ اور نقصان لاتی ہیں۔ مگر خواص میں کمال اور تر و تازگی کا موجب بنتی ہیں۔ یہ خواص کی ظلمتوں کی برکات ہوتی ہیں جو عوام کو ظلمتوں اور برائیوں سے دُور رکھتی ہیں۔ ان کے قلوب کو تزکیہ اور ان کے نفوس کو تصفیہ بخشتی رہتی ہیں۔ اگر یہ ظلمت نہ ہوتی تو خواص کو عوام سے کوئی نسبت نہ ہوتی اور خواص اور عوام علیحدہ علیحدہ جنسیں ہوتیں۔ افادہ اور استفادہ کی راہیں مسدود ہو جاتیں۔ یہ ظلمتیں خواص کے قلوب واجسام کو سیاہ نہیں کر سکتیں۔ بلکہ ان کی ندامت اور استغفار سے یہ ظلمتیں دفع ہوتی رہتی ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے مقامات میں ترقیاں ہوتی جاتی ہیں یہ ظلمت ملائکہ میں نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مقامات مزید ترقیوں سے رک جاتے ہیں وہ جس جس مقام پر ہیں اس سے آگے نہیں بڑھ پاتے یہ ظلمت ایک ایسی تعریف ہے جو خدمت کے مشابہ ہے۔

بے خبر عوام اہل اللہ کو اپنی طرح برائیوں کا شکار سمجھتے رہتے ہیں اور ان کی صفات بشری کو اپنی صفات ذلات کے مشابہ قرار دیتے ہیں اسی

وجہ سے ذلیل و خوار ہوتے رہتے ہیں[1]۔ غائب کو حاضر پر قیاس کر لیتے ہیں حالانکہ ہر مقام کی الگ الگ صفات ہوتی ہیں علیحدہ علیحدہ خصوصیات ہوتی ہیں ہر جگہ کی جُدا جُدا ضرورتیں ہوتی ہیں اور ہر ضرورت کا علیحدہ علیحدہ مقام ہوتا ہے۔

علوم امکانی اور معارف ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے

انسان جب تک علم و ادب میں مقید رہتا ہے اور جتنی مدت تک وہ علم و دانش کی وادی میں سرگرداں رہتا ہے اور جب تک ماسوا کے نقوش سے منقش رہتا ہے پست اور ناقابلِ اعتماد رہتا ہے۔ ماسوا اللہ کو بھول جانا منزل کی طرف راہنمائی کی علامت ہے۔ ماسوا اللہ کا فنا ہو جانا اگلی منزل کی رسائی کا نشان ہے جب تک باطن کا آئینہ امکان کے زنگ و غبار سے صاف نہیں ہوتا اس وقت تک اس پر حضرت وجود اور ذاتِ الٰہی کے انوار کا حضور محال بلکہ ناممکن ہوتا ہے۔ کیونکہ علوم امکانی (کائنات کے علوم) اور معارف وجوبی (عرفان الٰہی) کا ایک جگہ جمع ہونا ایسا ہی ہے جیسے ضدین ایک جگہ جمع ہو جائیں اور اجتماع اضداد محال ہے۔

ایک سوال

اس مقام پر ایک سوال سامنے آتا ہے کہ جب قضا کے کارکن کسی عارف کو مقام بقا کے ساتھ مشرف فرماتے ہیں اور ناقص لوگوں کی تکمیل کے لیے اسے (عالم امکان کی طرف) واپس بھیجتے ہیں اور امکانی علوم جو پہلے زائل ہو چکے ہوتے ہیں واپس آ جاتے ہیں اور اس طرح علوم امکانی اور علوم معارف دونوں ایک جیسے ہو جاتے ہیں حالانکہ ہم اوپر اسے اجتماع ضدین قرار دے کر ناممکن قرار دے چکے ہیں۔

---

[1] کار پاکاں را قیاس از خود مگیر ‌‌ ‌‌ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر
جملہ عالم زیں سبب گمراہ شُد ‌‌ ‌‌ کم کسے ز ابدال حق آگاہ شد

جواب ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ باقی باللہ (جو اللہ کے ساتھ باقی رہنے والا ہو) عارف اس وقت برزخیت کے مقام پہ ہوتا ہے۔ وہ وجوب اور امکان کے درمیان (برزخ) ہوتا ہے۔ وہ دونوں مقامات کے رنگوں میں رنگا ہوتا ہے۔ اس صورت میں اگر دونوں مقامات کے علوم و معارف اس میں جمع ہو جائیں تو اس میں کیا اشکال ہے کیونکہ اجتماع ضدین کا مقام ایک نہیں رہا متعدد مقامات بن گئے اس طرح اجتماع ضدین نہیں ہوا۔

علم الاشیاء کی واپسی مرتبہ فنا پر آنے کے بعد چیزوں کا علم زائل ہو گیا تھا۔ مرتبہ بقا پہ اگر واپس آ گیا ہے تو اس میں عارف کے کمال میں کوئی نقص لازم نہیں آئے گا۔ بلکہ اس رجوع ہی میں اسکا کمال ہے اور اسکی تکمیل اسی رجوع کے ساتھ وابستہ ہے کیونکہ عارف مقام بقا میں واصل ہو جانے کے بعد حق تعالیٰ کے اخلاق کے ساتھ آراستہ و پیراستہ ہو جاتا ہے اور اشیاء کا علم ذات واجب تعالیٰ میں عین کمال ہے اور اس کا عکس یا خلاف موجب نقصان ہے[۱۸]

جو عارف اخلاق خداوندی سے رنگا ہوا ہوتا ہے اس کا یہ حال ہے جو ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ عالم امکان میں علم حاصل ہونے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ عالم کے ذہن میں معلوم کی صورت کا حصول ہو جاتا ہے اور اس لازمی طور پہ عالم کی ذات اپنے اندر معلوم کی صورت کا حصول ہو جاتا ہے۔ عالم کی اثر پذیری بھی بڑھ جاتی ہے جس کے نتیجہ میں اس عالم کے اندر تغیر و تلون زیادہ

---

[۱۸] بقا۔ فنا اور بقا باللہ کی اصطلاحات صوفیہ کرام کے ہاں بڑی کثرت سے مستعمل ہیں۔ بقا باللہ فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ رجوع الی البدایہ۔ جمع الجمع اور فرق ثانی اسی بقا باللہ کے مختلف مراحل و مقامات ہیں۔ (استفادہ سرِ دلبراں)

وسیع اور مفصل بھرا ہوتا ہے۔ اس لیے یہی چیز ایک نقص بن جاتا ہے۔ اندریں حالات ایک سچے طالب کے لیے ضروری ہے کہ ایسے تمام علوم کی نفی کر دے اور تمام اشیاء کو بھول جائے۔

یہ کیفیت صرف بشری حالات میں ہوتی ہے۔ ذات واجب تعالیٰ میں علم کی یہ کیفیت نہیں ہوتی کیونکہ اس کی ذات ایسے حالات سے منزہ ہے نہ اس کے ہاں علم آتا ہے نہ اسے علم کی کمی ہے وہ بذات خود علم و نور کا منبع ہے۔ اس میں علمی اشیاء حلول نہیں کرتیں بلکہ حق تعالیٰ علم اشیاء احتیاج سے منزہ ہے یہ تمام چیزیں اس کے ہاں ابدالآباد سے ہی معلوم ہیں۔ وہ ذات ہر قسم کی ترقی۔ تغیر سے پاک ہے وہ اپنی صفات اور ذات میں کسی خارجی یا بیرونی قوت کا محتاج نہیں۔ جو عارف اللہ کے اس رنگ سے مزین ہو جاتا ہے اسکی کیفیتیں بھی عام علماء اور دانشور ممتاز ہو جاتی ہیں۔ انہیں علم الاشیاء کے حصول کے لیے کسی قسم کے قواعد و ضوابط کا سہارا نہیں لینا پڑتا۔ لہٰذا اس میں بھی اشیا معلومہ حلول نہیں کرتیں اور کوئی چیز اسے متاثر نہیں کرتی ان وجوہات سے نہ اسے کوئی آتا ہے نہ تلوں۔ وہ نقص کو قبول کرنے کی بجائے کمال بن جاتا ہے یہ راز۔ اسرار اور حکمتیں دقائق الٰہیہ میں سے ہیں۔ اگر میرے ان خیالات کو لوگ نہیں سمجھ سکتے تو ان سے شکوہ نہیں یہ دقائق الٰہیہ ہیں۔

مقام رضا

مجھے (مجدد الف ثانی قدس سرہ السامی) سلوک کے ابتدائی زمانے میں مختلف مدارج اور مقامات سے گزرنا پڑا اس رجوع الی اللہ کی منزل پر چلتے چلتے بارہ سال ہو گئے تو مقام رضا سے مشرف فرمایا گیا۔ پہلے تو میرے نفس کو دولت اطمینان بخشی گئی۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ نے مقام رضا سے بہرور فرمایا۔ میں اس وقت تک مشرف نہیں ہوا تھا

جب تک اللہ تعالیٰ کی رضا کا ایک پر تو روشن ہو کر سامنے نہیں آیا۔ تھوڑی سی دیر بعد میرا نفس مطمئنہ اپنے اللہ پر راضی ہو گیا۔ میں اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہوں۔ ایسی حمد و ثنا جو بے پایاں ہے اور پاکیزہ ہے اس کے اندر اور باہر برکات خداوندی ہوں۔ ایسی حمد و ثنا جسے اللہ پسند فرمائے اور راضی ہو۔ درود و سلام ہو اس رسول مقبول حضرت محمّد رسول اللہ پر آپ کی آل پر آپ کے صحابہ پر جیسا کہ انکی ذات کا حق ہے۔[۱۹]

بعض مفکرین کا یہ سوال نہایت درست ہے کہ جب نفس مطمئنہ اپنے مولیٰ اور آقا سے راضی ہو گیا تو اس کے بعد دعا اور مصائب کو دفع کرنے کی خواہش و طلب کا کیا معنی ہے؟ ہم اس جواب میں یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم یا فعل سے لازم نہیں کہ اسکی مخلوق سے بھی راضی ہو جائے۔ کیونکہ مخلوق کی ہر بات پر راضی ہونا تو بعض اوقات کفر و عصیاں تک لے جاتا ہے۔ جیسا بت پرستی۔ اور کفریات بھی

---

۱۹ ؛ صوفیاء اسلام نے تسلیم و رضا کے مقام کو بڑا اپنایا ہے اور اس پر بڑی تفصیلی گفتگو فرمائی ہے۔ رومی۔ جامی۔ سنائی۔ عطار۔ سعدی اور خسرو جیسے سینکڑوں جلیل القدر صوفی شعرا نے فلسفہ تسلیم و رضا پر بڑے لطیف انداز سے اظہار خیال فرمایا ہے۔ ان کی کتابیں اس موضوع سے بھری پڑی ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اس مقام کو اپنے سلوک کے تجربات کی روشنی میں بیان فرمایا ہے اور اس مقام پر فائز ہو کر قارئین کی بڑے اعلیٰ انداز سے راہنمائی فرمائی ہے مگر ہم قارئین کی سہولت کے لیے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تسلیم و رضا ہے کیا؟ صوفیہ نے اس سے کیا مراد لی ہے۔

قضا حکم الٰہی کو کہتے ہیں قضا پر راضی رہنا واجب ہے مگر اس چیز پر جس پر قضا جاری کی گئی ہے۔ اس پر راضی ہونا ضروری نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے کسی عزیز ترین شخص پر موت کا حکم نافذ کیا ہے۔ قضا یعنی حکم خداوندی پر راضی ہونا اسے تسلیم کر لینا تو

مخلوق ہیں ان پر راضی ہونا کفر ہے اس قبیح اور بری چیز کی پیدائش کی رضا تو ضروری ہے۔ مگر اسے تسلیم کر لینا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ خود تمام چیزوں کا خالق ہے مگر ان بری چیزوں سے راضی نہیں ہے لہذا اس کا بندہ ان سے کس طرح راضی ہو سکتا ہے بلکہ بندہ تو ایسے مقامات میں سختی اور درشتگی برتنے پر حق بجانب ہے لہذا مخلوق سے کراہت اور ناپسندیدگی اسکی پیدائش کے فعل سے تو ناپسندیدگی نہیں ہو سکتی۔ ہاں اس کی ذات سے کراہت ضروری ہے اور ان کے رفع کرنے میں طرح طرح کے تکلفات درکار ہیں۔ چنانچہ انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ کراہت کا پایا جانا رضا کے حال کے منافی ہے ہاں رضا کے مقام کے منافی نہیں ہے مگر صحیح بات وہی ہے جو میں نے اللہ تعالیٰ سبحانہ کے الہام سے تحقیق کے ساتھ لکھ دی ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

سابقہ حاشیہ سے :۔ واجب ہے۔ مگر موت پر کوئی شخص راضی نہیں ہو سکتا۔ موت حکم نہیں۔ جان لینا قضا الٰہی ہے۔ حکم الٰہی پر راضی ہونے کا فلسفہ یہ ہے کہ اللہ کی محبت میں اس کا حکم تسلیم کر لینا محبت کی پختگی کی دلیل ہے۔ خوشی ہو یا غم۔ تکلیف ہو یا عیش۔ قرب ہو یا بعد۔ قبض ہو یا بسط۔ وصل ہو یا فراق زندگی ہو یا موت یہ تمام چیزیں اسکی محبت کی راہ میں آتی ہیں۔ ان پر راضی ہونا تسلیم و رضا ہے۔ ہم یہاں تک کہ سکتے ہیں کہ مصیبت اور ابتلا کی ہر ٹھوکر محبت میں ایک نئی روح پھونکتی ہے نسیم سرورانگیز کا ہر جھونکا روح میں ایک جدید مسرت کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ تسلیم و رضا میں فرق یہ ہے۔ تسلیم قضا (حکم الٰہی) سے پہلے ہوتی ہے اور رضا وقوع قضا کے بعد۔ الفت و محبت کے مختلف مدارج اور مراتب میں تسلیم و رضا کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ رضا اللہ کی ہر ادا ہر حکم پر قضا پر کلی اعتماد اور اسے خوشی دلی سے قبول کرنا ہے۔ اس کا ادنیٰ مرتبہ صبر ہے اور اعلیٰ مرتبہ تسلیم ہے۔

(استفادہ از سرِ دلبراں۔ سید محمد ذوقی)

قرأت خلف الامام

ایک عرصہ سے میری دلی خواہش تھی کہ عقیدہ اہلسنت میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا جواز مل جائے کیونکہ نماز میں قرأت کرنا فرض ہے تو قرأت حقیقی کو چھوڑ کر قرأت حکمی کو اختیار کرنا معقول معلوم نہیں ہوتا پھر حدیث نبوی میں یہ بات آ چکی ہے کہ :

لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَاب ط (سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی) لیکن حنفی فقہ کی پاسداری کے لیے مجبوراً امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتا رہا اور اس ترک قرأت کو مجاہدہ اور ریاضت کے طور پر اختیار کیے رہا میرے نزدیک ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب میں جانا الحاد ہے آخر کار اللہ تعالیٰ نے مجھے اس عقیدہ اور نظریہ کی حقیقت سے آگاہ فرما دیا ۔ پھر نگاہ بصیرت میں قرأت حکمی ہی قرأت حقیقی کا نعم البدل دکھائی دینے لگی امام اور مقتدی متفقہ طور پر مقام مناجات میں کھڑے ہوتے ہیں (نماز پڑھنے والا اپنے اللہ سے مناجات کرتا ہے) تمام مقتدی امام کو اپنا پیشوا تصور کرتے ہیں ۔۔۔ کا ترجمان اور نمائندہ ہوتا ہے لہٰذا امام جو کچھ پڑھتا ہے وہ پوری قوم کی نمائندگی میں پڑھتا ہے یہ پوری قوم کی زبان ہوتی ہے بالکل اسی طرح جیسے لوگوں کی ایک جماعت (وفد) کسی ضروری کام کے لیے ایک بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو اور وہ ایک آدمی کو اپنا نمائندہ یا پیشوا بنا لیتے ہیں تاکہ وہ سب کی طرف سے بادشاہ کی خدمت میں گزارشات پیش کرے اس موقع پر اگر تمام دوسرے لوگ بھی اپنی اپنی بات کرنے لگیں تو بے ادبی اور گستاخی سمجھی جائے گی اور بادشاہ کے لیے وجہ ناراضگی ہو گا ۔ یہی صورت حال امام کی قرأت کا ہے وہ تمام مقتدیوں کی طرف سے قرأت کرتا ہے ۔ سب کا بولنا محض شور و شغب اور ادب کے خلاف کام ہو گا ۔

ہم فقہی مسائل پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں شافعی اور حنفی (اور دوسرے مذاہب)

میں اکثر مواقع پر اختلاف نظر آتا ہے۔ ظاہری طور پر لوگ محسوس کرتے ہیں کہ شافعی مسلک آسان اور درست ہے مگر جب ہم بغور باطنی معاملات پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو حنفی مسلک کی تائید کرنا پڑتی ہے مجھے قضا و قدر کے کارکنوں نے واضح کیا ہے کہ علم کلام کے اختلافات کے باوجود حنفی مسلک ہی حق پر ہے۔ مثلاً حنفی تکوین کو صفاتِ حقیقیہ میں شمار کرتے ہیں حالانکہ بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ یہ حقیقی صفت نہیں ہے اس کا انجام قدرت اور ارادہ کی صفات میں سے ہے لیکن باریک بینی اور نورِ فراست سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تکوین واقعی ایک علیحدہ اور مستقل صفت ہے ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ حنفی مسلک ہی حق اور صداقت پر ہے۔

ماتریدیہ کی تائید

میں سلوک کے درمیانی مقام پر تھا کہ ایک رات مجھے سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں زیارت سے نوازا اور فرمایا "تم علم کلام کے مجتہدین میں سے ہو"۔ اس دن سے میری نگاہ میں کلامیہ مسائل آسان ہونے لگے اور مجھے ایک خاص رائے اور مخصوص علم سے نوازا گیا۔ میرے سامنے اکثر ایسے اختلافی مسائل آئے جن میں ماتریدیہ اور اشاعرہ میں جھگڑا ملتا تھا۔ آتے تھے۔ میں اس مسئلہ کو ابتدائی طور پر دیکھتا تو اشاعرہ کو حق پر پایا، لیکن نورِ فراست سے باریک بینی سے غور کرنا تو واضح ہو جاتا ہے کہ ماتریدیہ کا نظریہ درست ہے علم کلام میں تمام مسائل پر میری تحقیق ماتریدیہ کے طرز پر ہوتی تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ ماتریدیہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی بدولت عالی شان نظریہ کے مالک ہیں ان کے بزرگوں کو وہ مقام حاصل ہے جو انکے مخالفین کو میسّر نہیں ہے کیونکہ اشاعرہ نے اپنی فلسفیانہ موشگافیوں سے مسائل کو مشکل بنا دیا ہے۔ اگرچہ دونوں فریق حق پر ہیں مگر ماتریدیہ کا انداز زیادہ درست ہے۔

حضرت امام اعظم کی عظمت

حضرت امام ابو حنیفہ عنہ[1] بزرگوں کے بزرگ ترین امام ہیں۔ وہ امام اجل۔ پیشوائے اکمل ہیں۔ انکی بلندیٔ شان کو بیان کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ وہ امام مالک۔ امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رضی اللہ عنہم سب سے زیادہ عالم اور متقی ہیں۔ ان کا مقام اِن تمام سے بلند تر ہے۔ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔" تمام فقہائے اسلام امام ابو حنیفہ کے سامنے طفلِ مکتب ہیں۔" امام شافعی جب امام ابو حنیفہ کی قبر پر فاتحہ کے لیے حاضر ہوتے تو اپنے مسلک اور اجتہاد کو چھوڑ دیتے تھے اور اپنی رائے پر عمل کرنے کی بجائے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی رائے کو ترجیح دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے۔" مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس شخص کے سامنے اپنی رائے کا اظہار کروں جسکی رائے ہمیشہ فائق اور بلند ہے۔"

آپ کا یہ معمول تھا کہ حضرت امام ابو حنیفہ کے مزار کی زیارت کو روانہ ہوتے تو اس عرصہ کے دوران امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا چھوڑ دیا کرتے تھے اور فجر کی نماز میں قنوت بھی ترک کر دیتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مقام اور شان کو امام شافعی رضی اللہ عنہ ہی صحیح طور پر جانتے تھے۔ قیامت

---

[1] حضرت امام نعمان بن ثابت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ امام اعظم کے لقب سے مانے جاتے ہیں۔ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۵۰ھ میں منصور عباسی کے زمانہ اقتدار میں فوت ہوئے۔ تھے وقت کے بلند پایہ آئمہ کے علاوہ آپ نے حضرت حماد رضی اللہ عنہ سے علمی استفادہ کیا۔ آپ کے شاگردوں میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد شیبانی امام زفر جیسے جلیل القدر آئمہ دنیائے اسلام میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ چار اماموں میں سے آپ پہلے امام ہیں اور اہلسنت و جماعت میں آپ سوادِ اعظم کے پیشوا ہیں۔

کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو وہ فقہ حنفی پر احکام شریعت نافذ کریں گے اس بات کو میرے راہنمائے طریقت حضرت خواجہ محمد پارسا نقشبندی قدس سرہ نے اپنی کتاب "فصول ستہ" میں بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ حضرت امام اعظم کی بزرگی اور عظمت کا یہ عالم ہے کہ ایک اولوالعزم پیغمبر آپ کے طریقہ پر عمل کرے گا ہزاروں عظمتیں اسی ایک اعزاز پر قربان کی جا سکتی ہیں۔

ہمارے خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ کچھ عرصہ تک میں بھی امام کے پیچھے نماز میں فاتحہ پڑھتا رہا ہوں لیکن میں نے ایک رات خواب میں سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ ایک شاندار مرصع قصیدہ اپنی ہی شان میں پڑھ رہے تھے اس میں ایک شعر ایسا تھا جس میں امام صاحب نے فرمایا کہ میرے طریقہ اور مسلک پر ہزاروں اولیاء اللہ کاربند رہے ہیں اور بے شمار علماء اہلسنت نے میری تقلید کی ہے میں نے اس روز سے فاتحہ خلف الامام ترک کر دی۔

نوٹ :۔ سراج الملت حضرت خواجہ محمد باقی المعروف باقی باللہ رضی اللہ عنہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ السامی کے پیر و مرشد اور راہنمائے طریقت تھے۔ آپ کو مولانا خواجگی امکنگی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت ملی تھی آپ کے والد حضرت قاضی عبدالسلام قریشی سمرقندی کابل میں سکونت پذیر تھے جہاں حضرت باقی اللہ ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے آپ نے مولانا صادق حلوائی سے جو اپنے وقت کے ایک جید عالم دین تھے۔ دینی علوم کی تکمیل کی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مغل فرمانروا برصغیر پاک و ہند میں اپنی حکومت قائم کر چکے تھے اور شمالی ایران سے وہ علما و فضلا اور مشائخ جنہوں نے سلسلۂ نقشبندیہ میں تربیت پائی تھی۔ اپنے عقیدتمند فرمانرواؤں کی استدعا پر پاک و ہند کا رُخ کر رہے تھے۔ حضرت خواجہ باقی اللہ بھی ایک ایسی جماعت کے ساتھ لاہور پہنچے جو مغل دربار میں اپنی خدمات پیش کرنا چاہتے تھے چونکہ

حصولِ اجازت

روحانی تربیت میں بعض اوقات ایک مرید کمال حاصل کرنے سے پہلے ہی مریدوں کی تربیت میں لگا دیا جاتا ہے یعنی ناقص مرید کو طریقت کی تعلیم کی اجازت دے دیتا ہے، اس ناقص شخص کے مریدین کے اجتماع کی وجہ سے اس ناقص مرید کا کام چل نکلتا ہے۔ اس خدمت اور تربیت کے صلہ میں اس ناقص مرید کو کمالات حاصل ہو جاتے ہیں حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ کو درجہ کمال تک پہنچنے سے پہلے ہی مریدوں کو طریقت کی تعلیم کے لیے اجازت مرحمت فرما دی تھی اور فرمایا تھا

سابقہ صفحہ سے: حضرت خواجہ باقی اللہ ان دنوں طلب خداوندی کے جذبہ سے سرشار تھے۔ انہوں نے منصب یا عہدہ کی بجائے لاہور کی گلی کوچوں میں مردان حق کی تلاش میں اپنا وقت صرف کرنا شروع کر دیا۔ ایک سال لاہور رہے۔ یہاں کے علماء کرام آپ کے علمی مقام اور علوم آپ کے حسن وسلوک کے اس قدر گرویدہ ہوئے کہ ایک جہاں آپ کے حلقۂ ارادت میں آگیا دہلی پہنچے تو وہاں بھی لوگوں کا ایک بے پناہ ہجوم آپ کی مجالس میں آنے لگا۔ انہی دنوں حضرت مجدد الف ثانی سرہند سے دہلی آئے ہوئے تھے۔ حضرت مجدد کی نگاہ طلب اور حضرت باقی باللہ کی نگاہ تجسس سے حضرت مجدد کو منتخب کیا اور مرید بنا کر سلوک نقشبندیہ کی منازل طے کرانے لگے زیر مطالعہ کتاب مبداؤ معاد حضرت مجدد کے ان تربیتی ایام کے تجربات کی ایک اہم یادداشت ہے۔ حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مجدد کی تربیت اور روحانی ترقی پر اس قدر ناز تھا کہ آپ کئی مقامات پر حضرت مجدد کی ذات اور وابستگی کا تذکرہ بڑے فخر سے کیا کرتے تھے۔ حضرت باقی باللہ قدس سرہٗ چالیس سال کی عمر میں ۱۰۱۲ھ میں فوت ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اس مختصر سی عمر میں ایک ایسی نابغہ روزگار شخصیت کو روحانی منازل طے کرانے میں اہم کردار ادا کیا جو آگے بڑھ کر ہندوستان میں "سرمایۂ ملت کی نگہبان بنی۔"

(فاروقی)

"یعقوب! جو کچھ تمہیں ہم نے دیا ہے لوگوں کو پہنچاتے جاؤ۔" حالانکہ حضرت مولانا یعقوب چرخی کی تکمیل حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے کی تھی یہی وجہ ہے کہ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نفحات الانس میں حضرت یعقوب چرخی کی پہلی نسبت خواجہ عطار قدس سرہٗ الستار سے قائم کرتے ہیں پھر خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح جب کوئی کامل بزرگ اپنے ایسے مرید کو جو کمال کا صرف ایک درجہ حاصل کرتا ہے۔ تعلیم وارشاد کی اجازت دے دیتا ہے تو وہ بھی اسی نسبت میں آئے گا وہ مرید ایک طرح کا کامل ہے اور بعض مدارج میں ناقص ہے۔ اسی طرح وہ مرید جو مکمل کامل تو نہیں ہوتے مگر دو تین مدارج میں کامل ہوتے ہیں۔ وہی مقام رکھتے ہیں ایسے مرید ایک لحاظ سے کامل کہلائیں گے اور ایک لحاظ سے ناقص! کیونکہ نہایت النہایت (یعنی آخری مقام کمال) تک پہنچنے سے پہلے تمام درجے ایک جہت میں کمال پاتے ہیں۔ اور دوسری جہت میں ناقص ہوتے ہیں اس کے باوجود پیر کامل ایسے مریدوں کو تکمیل کے مراحل طے کرنے سے پہلے ہی ارشاد و تعلیم کی اجازت دے دیتے ہیں لہذا اجازت تکمیل کمال اور انتہائے کمال پر منحصر ہوتی ہے۔

ایک نکتہ یاد رکھیں کہ نقص اگرچہ اجازت کے منافی ہے مگر اجازت دینے والا جب ایک کمال پر اجازت دے دیتا ہے تو نقائص دب جاتے ہیں اور مرشد کا ہاتھ مرید کا ہاتھ ہوتا ہے یہ نقص متعدی نہیں ہوتا۔

یادداشت کے مدارج

یادداشت [۱۲] سے مراد حضرت ذات حق اور تقدس کا دوام حضور ہے اور یہ کیفیت ان لوگوں پر جو مقام قلب پر فائز ہیں۔ جمعیت قلب کی وجہ سے خیال میں آجاتی ہے

---

[۱۲] سلسلہ نقشبندیہ کی مختلف اصطلاحات میں سے یادداشت بھی ایک اہم اصطلاح ہے اگرچہ حضرت مجدد نے اس اصطلاح کی ان الفاظ میں بڑی لطیف تعریف کی ہے تاہم

کیونکہ جو کچھ انسان کی مجموعی حیثیت میں پایا جاتا ہے۔ وہ سب کچھ تنہا قلب میں بھی پایا جاتا ہے۔ حالانکہ دونوں کے درمیان صرف" اجمال اور تفصیل کا ہی فرق ہوتا ہے لہٰذا مرتبہ قلب میں بھی ذاتِ حق تعالیٰ و تقدس کا حضور بطور دوام ہی میسر ہوتا ہے۔ یہ مقام یادداشت کی صورت میں ہوتا ہے۔ یادداشت کی حقیقت میں نہیں مشائخ نے النہایت فی البدایت (آغاز میں انجام کی جلوہ فرمائی) کے اندراج کی جس صورت کو بیان فرمایا ہے وہ یادداشت کی طرف اشارہ ہے۔ یادداشت کی حقیقت تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے بعد حاصل ہوتی ہے لیکن جو لوگ حضرت ذات حق سے مراد مرتبہ وجوب لیتے ہیں جس میں ذات تمام صفات وجوبیہ کی جامع ہوتی ہے تو تمام امکانی مراتب کو طے کر لینے کے بعد محض اس مقام کے شہود تک رسائی کر لینے کے بعد یادداشت کا حصول ہو جائے گا اور تجلیات صفاتی میں بھی یہ معنی متحقق ہے۔ اس صورت میں صفائی کا پیش نظر رہنا ذات حق تعالیٰ کے حضور کے منافی نہیں ہے۔ بعض بزرگوں کے ہاں حضرت ذاتِ حق سے مراد مجرد احدیت کا مرتبہ ہے۔ جو تمام اسماء نسبتوں اور اعتبارات سے خالی ہے۔ تو پھر یادداشت کا حصول تمام مراتب آسمانی۔ صعاتی نسبتی اور اعتباری کو طے کر لینے کے بعد ہی متصور ہوتا ہے اور ہم نے یادداشت کی اصطلاح کو جہاں بھی

سابقہ صفحہ سے:۔ آسان لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ "یادداشت" دراصل حق تعالیٰ کی جانب ہر دم اور ہر حال میں بسبیل ذوق متوجہ رہنے کی کیفیت ہے بعض کے نزدیک یادداشت سے مراد حضور بے عیب ہے۔ محققین کے نزدیک یادداشت یہ ہے کہ سالک کے دل پہ شہود حق کا غلبہ ہو جاتا ہے اور یہ غلبہ حُب ذاتی کے توسط سے ہوتا ہے اسی مقام کو مشاہدہ کہتے ہیں۔ یہ مقام فنائے تام اور بقائے کامل کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

(استفادہ سرِ دلبراں۔ ذوقی)

بیان کیا ہے اسی معنی سے بیان کیا ہے۔ ہمارے نزدیک اس مرتبہ کا حضور کے لفظ کا استعمال بھی مناسب نہیں ہے۔ جیسا کہ ارباب یادداشت پر مخفی نہیں ہے کیونکہ وہ مقام حضور اور غیبت دونوں سے بلند ہے "حضور" کا لفظ صفات میں سے ایک صفت کو سامنے لاتا ہے جو کچھ لفظ حضور کے مناسب ہے وہ یادداشت کی تفسیر ہے جو اوپر معنی دوم میں کی گئی ہے۔

اس مفروضہ کی بنا پر یادداشت کو انتہا کہنا شہود و حضور کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ اس مرتبہ سے اوپر تو حضور و شہود کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس مقام کے بعد یا حیرت کے با جہل ہے یا معرفت ہے[۱] لیکن وہ معرفت نہیں جسے عام علمی اصطلاح میں معرفت کہا جاتا ہے۔ کیونکہ علم والوں کے نزدیک تو معرفت افعال اور صفاتی ہوتی ہے مگر یہ مقام صفات و افعال سے کئی منزلیں اوپر ہے۔ والصلوٰۃ وَالسّلام عَلیٰ سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم وعَلیٰ آلہٖ وَ اصحابہٖ !

نہایت النہایت کی راہ میں دس مقامات

راہ سلوک کی تکمیل اور معرفت کے انتہائی مقام تک پہنچنے کے لیے سالک کو دس مقامات سے گزرنا پڑتا ہے اس راہ میں پہلا مقام توبہ ہے اور آخری مقام رضا ہے۔

---

[۱] : حیرت وصل بھی اصطلاحات صوفیہ میں اہم موضوعات ہیں۔ حیرت در اصل انکشاف حقیقت پر ہکا بکا ہو جانا ہے۔ حیرت کی صوفیا نے دو قسمیں بیان کی ہیں (۱) حیرت مذموم جہالت کے نتیجہ سے آتی ہے اور وہ تنزل کے سبب سے آتی ہے ایک بالکل گنوار جسے شہری زندگی کو پہلے دیکھنے کا کبھی موقع نہیں ملا۔ جو ایک شاہی محل کی شان و شوکت کو دیکھ کر بھونچکا جاتا ہے۔ اسکی نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ محل کی شان و شوکت اسکے علم و عقل نہیں آتی وہ ہکا بکا ہو کر مارا مارا پھرتا ہے۔ حتیٰ کہ ایسے شخص کی جہالت

مراتب کمال ہیں کوئی مقام بھی رضا کے مقام سے اونچا نہیں ہے حتیٰ کہ رویت اخروی بھی مقام رضا سے پیچھے ہے۔ مقام کی مکمل حقیقت تو آخرت میں ظاہر ہوگی۔ دوسرے مقامات کا حصول آخرت میں نہیں ہوگا۔ وہاں توبہ کی کوئی حقیقت نہیں زہد کا کوئی مقام نہیں۔ توکل کی وہاں کوئی گنجائش نہیں۔ صبر کا کوئی احتمال نہیں۔ شکر وہاں پایا جاتا ہے مگر شکر بھی رضا کے دامن سے ہی وابستہ ہے۔ آخرت میں بس رضا ہی رضا ہے۔

بعض اوقات ایسے معاملات بھی دیکھنے میں آئے ہیں کہ خود مرد کامل جو دوسروں کی تکمیل سلوک میں مصروف ہونے والی ہستی بھی دنیا کی طرف رغبت کرتے لگ جاتی ہے اور اسکی بہت ہی ایسی باتیں دکھائی دیں ہیں کہ وہ توکل اور تقویٰ کے

سابقہ صفحہ سے :- کی وجہ سے حیرت پر دوسرے لوگ بھی اسے ناپسند کرتے ہیں اور اسے ایسے مقام سے باہر نکال دیا جاتا ہے۔ دوسری حیرت محمود ہے یہ علم و دانش کی وجہ سے عروج اور ترقی پاتی ہے۔ ایک عالم کسی دوسرے بڑے دانشور اور عالم کی گفتگو سن کر حیرت زدہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنے علم میں اضافہ کرتا ہے اور اسکی صلاحیتوں میں بے پناہ اضافہ ہوتا ہے ایسے عالم دین کو پسندیدہ نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اہل علم اسکی پذیرائی کرتے ہیں۔ وہ ایسے علوم کا قدردان بھی کہلاتا ہے اور ترقی پذیر شخصیت کے طور پر محبوب خلائق بنتا ہے۔ جہل بھی نارسائی کا دوسرا نام ہے۔ اہل علم نے اس کی کئی قسمیں بیان کی ہیں۔ جہل مرکب، جہل مطلق، مگر اصطلاحات صوفیا میں جہل منازل سلوک کے طے کرنے میں مفید ہے۔ علم کی روایات۔ خرد کی حدود بعض اوقات ایک سالک کی رفتار میں زنجیر ہو کر رہ جاتی ہیں اور العلم حجاب الاکبر بن جاتا ہے۔ علم و خرد کے بوجھ سے بے نیاز سالک عرفان وجدان کی منازل طے کرتا ہے یہاں جہل ہی حسن بنتا ہے۔ انسان کا علوم اور جہول ہونا اسکی برتری اور عظمت کی علامت

کے خلاف ہیں بے صبری اور اضطراب صبر کے خلاف نظر آتی ہے۔ بعض اوقات ناپسندیدگی سے رضا کے خلاف حالات دکھائی دیتے ہیں۔ ان حالات کے رونما ہونے کی کیا وجوہات ہیں؟

میں اس مقام پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان تمام مقامات کا حصول قلب اور روح کے ساتھ مخصوص ہے اور خاص الخاص لوگوں کے متعلق ان مقامات کا حصول نفس مطمئنہ میں بھی پایا جاتا ہے۔ جہاں تک ظاہری قلب و جسم کا تعلق ہے وہ ان حقائق سے محروم اور خالی رہتا ہے جو قلب اور روح پر وارد ہوتے ہیں۔ صرف اتنی بات ہے کہ دونوں کا ہمنوا نہ ہونے سے تیزی اور شدت میں کمی آجاتی ہے۔

کسی شخص نے حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ[۱] سے پوچھا کہ آپ محبت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر آپ کا جسم بہت موٹا ہے۔ یہ موٹاپا محبت والوں کے منافی ہے شبلی نے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

اَحَبَّ قَلبِی وَمَادرِیْ بَدَنِی
وَلَو دَرِیٰ مَا اَمَامُ فِی السَّمَنِ

سابقہ صفحہ سے: رہے۔ بارگاہِ ایزدی میں عقل و دانش کے پیمانے بیکار ثابت ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ صوفیا نے علم کی وادیوں کو بہت پیچھے چھوڑ کر منازل طے کی ہیں۔

[۱] حضرت ابوبکر شبلی قدس سرہٗ حضرت جنید بغدادی کے خلیفہ تھے۔ آپ سلوک سے قبل اپنے ملک کے گورنر تھے۔ مگر جب راہ سلوک اور منزل عشق میں پہنچے تو سکر کا غلبہ رہنے لگا۔ آپ کا مقام اہل تصوف میں اس قدر بلند تھا کہ خود حضرت جنید بغدادی آپ کو صوفیا کا تاج کہا کرتے تھے۔ ۲۷ ذی الحجہ ۳۳۴ھ کو ۸۸ سال کی عمر میں بغداد میں فوت ہوئے۔

(میرے قلب نے محبت کی ہے لیکن میرے جسم کو اسکی خبر تک نہیں اگر بدن کو معلوم ہو جاتا تو وہ محبت کی آگ میں سوکھ جاتا۔)

اندریں حالات اگر کسی کامل مرد خدا کے جسم یا قالب میں ان کے روحانی مقامات کے منافی کوئی چیز نظر آئے تو اس بزرگ کے باطن کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان مقامات میں یہ چیزیں کوئی نقصان نہیں دیتیں اور ناقص آدمی (غیر کامل) میں ان مقامات کے نقائص اس کی مجموعی حقیقت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ظاہر اور باطن دونوں حالات میں ظہور میں آتے ہیں ایسا آدمی ظاہر و باطن میں دنیا کی طرف راغب ہوتا ہے اور توکّل کے خلاف اس سے بعض امور ظاہر ہونے لگتے ہیں پھر اس کے قالب اور جسم میں دونوں میں بے صبری کی علامت سامنے آنے لگتی ہیں اور اس کے روح اور بدن دونوں میں کراہت اور ناپسندیدگی آجاتی ہے یہی وہ چیزیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اولیاء اللہ کے لیے حجابات بنا دیتا ہے اور اکثر لوگ ان بزرگوں کے روحانی فیوض سے محروم رہ جاتے ہیں۔

ایسی چیزوں کو اولیاء اللہ سے ظاہر ہونے میں بعض حکمتیں بھی ہیں۔ ایک دقیق حکمت تو یہ ہے کہ حق اور باطل میں امتیاز نہیں رہتا اور حق باطل پر ممتاز نہیں ہوتا۔ یہ مقام اس دنیا میں جو ابتلاء اور امتحان کی جگہ ہے لازمی ہے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ وہ ایسی چیزوں کی موجودگی میں ترقی کرتے جاتے ہیں اور مختلف مدارج پر پہنچنے کے لیے کوشاں ہوتے ہیں اگر ایسی چیزیں اولیاء اللہ سے بالکل مرفوع ہو جائیں اور وہ ان نقائص سے پاک اور بے عیب ہو جائیں، تو انکی ترقی کے راستے رک جاتے ہیں وہ ملائکہ کی طرح ایک بے عیب زندگی کے خوگر ہو جاتے ہیں پھر وہ ایک ہی مقام میں قید ہو کر رہ جاتے ہیں۔ آپ نے غور کیا ہوگا کہ جلیل القدر ملائکہ بھی جس پاکیزہ مقام پر تھے اس سے

سر مو ترقی نہیں کر سکے۔ والسلام علیٰ مَن اتبع الھدیٰ۔

اولیا اللہ کا ظاہر اور باطن

یا الٰہ العالمین! یہ کیا چیز ہے جو تو نے اپنے اولیا میں رکھ دی ہے۔ اس کے روحانی اور جسمانی ظاہری اور باطنی سلسلہ پر نظر ڈالی جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کا باطن خضر کے چشمۂ آب حیات کی طرح ہے جس کا ایک قطرہ چکھ لینے سے حیات ابدی مل جاتی ہے اور ان کا ظاہر زہر قاتل کی طرح ہے۔ جس میں ان کے ظاہر کی طرف دیکھ کر دل میں کدورت یا نفرت بھری وہ ابدی روحانی موت کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ تیرے وہ بندے (بزرگ) ہیں جن کا باطن رحمت ہے اور ان کا ظاہر رحمت ہے انکے باطن پر نگاہ ڈالنے والے انہی میں شمار ہونے لگتے ہیں مگر ان کے ظاہر کو دیکھنے والے بعض اوقات بدمذہبی کے گڑھے میں جا گرتے ہیں۔ بظاہر جو کھاتے نظر آتے ہیں، مگر حقیقت میں بخشے جاتے ہیں۔ ظاہر میں عام انسانوں کی طرح ہیں باطن میں فرشتوں کے ہم نشین ہیں۔ ظاہری طور پر انہیں کی پستیوں پر چلتے نظر آتے ہیں اور باطنی طور پر آسمانوں سے بلند مقام ہوتے ہیں ان کی مجلس میں بیٹھنے والے بدبختوں سے پاک ہو جاتے ہیں، ان سے محبت کرنے والے سعادتوں کے امیں ہوتے ہیں اُولٰئِکَ حِزبُ اللہِ اِلاّ اِنّ حِزبَ اللہِ ھُمُ المُفلِحُون ط (یہ اللہ کی جماعت کے لوگ ہیں یاد رکھو اللہ کی جماعت کے لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں) وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سَیِّدنا محمدٍ وَّ آلہٖ وسلم ط

اولیا اللہ اپنے آپ کو پوشیدہ رکھتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں اولیا اللہ کو اس طرح پردوں میں چھپایا ہوا ہے کہ بعض اوقات ان کے ظاہر (جسم) کو انکے

باطن (قلب) کی خبر تک نہیں ہوتی دوسرے لوگوں کی تو بات ہی کیا وہ اپنے آپ سے بے خبر ہوتے ہیں۔ ان کے باطن کو جو نسبت بے کیفی اور بے علتی سے حاصل ہوتی ہے وہ بھی بے کیف اور بے مثال ہے۔ ان کا باطن چونکہ عالم امر سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا وہ خود بھی اس بے کیفی سے حصّہ لیتے ہیں وہ ظاہری طور پر دنیا کے اسباب و علل میں گرفتار نظر آتے ہیں مگر ان کی حقیقت کی کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ بعض اوقات وہ انتہائی جہالت اور عدم مناسبت سے اپنے مقام سے انکار بھی کر دیتے ہیں اور اپنی نسبت سے بے زار دکھائی دیتے ہیں لیکن کبھی اس نسبت کا اعتراف بھی کر لیتے ہیں لیکن یہ نہ سمجھ سکے کہ اس نسبت کا تعلق کس ذات سے ہے اکثر ایسا بھی ہوگا کہ وہ تعلق حقیقی کی نفی کر دے گا۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ یہ نسبت بہت ہی بلند ہے اور اس کے مقابلے میں ظاہر بہت ہی لست ہے۔ باطن خود بھی اس نسبت سے مغلوب ہے اور دید و دانش کی حدود سے بلند ہو چکا ہے اسے یہ کیا معلوم کہ وہ کیا رکھتا ہے اور کس کے ساتھ رکھتا ہے لہٰذا ہمارے لیے کوئی چارہ کار نہیں کہ معرفت سے عجز کا اظہار کر لیا جائے اور یہ اعتراف کر لیا جائے کہ معرفت کی طرف راہ ہی نہیں ملتی۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا العجز عن درک الادراک ادراک (یعنی ادراک کو حاصل کرنے سے عاجزی ہی ادراک ہے) یہاں ادراک سے مراد[۲۳] وہ خصوصی نسبت ہے جسکے ادراک

---

[۲۳] :۔ ادراک کیا ہے؟ صوفیار نے اپنی اصطلاحات میں اسے بصیرت اور احساس باطنی کا نام دیا ہے۔ ہم ظاہری احساس خمسہ سے جب کسی چیز کو معلوم کرتے ہیں تو اسے احساس کہا جاتا ہے جو چیزیں ان ظاہری حواس سے معلوم کی جاتی ہیں انہیں محسوسات کہا جاتا ہے ظاہری حواس کے مقابلے میں ایک باطنی نظام ہے جو باطن کی کیفیات اور معانی کو

سے عجز ضروری ہے ۔کیونکہ صاحب ادراک مغلوب ہوتا ہے اور وہ اپنے ادراک کو نہیں جان سکتا ۔ دوسرے لوگ بھی اس کے حال کو نہیں جان سکتے ۔

۳۴ ۔ اعتقادی بدعت کے نقصانات

ہم نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو صوفی تو تھا ہی صوفیانہ زندگی بسر کر رہا تھا مگر وہ اعتقادی بدعت میں گرفتار تھا (بداعتقاد صوفیا، بزعم خود خدا رسیدہ بنتے ہیں مگر انکے عقیدہ کی گندگی انہیں اُبھرنے نہیں دیتی اور وہ اپنے دعوؤں کے باوجود ترقی سے محروم رہتے ہیں) مجھے اس شخص کے متعلق بڑی فکر ہوئی کہ یہ کیسا آدمی ہے صوفی بھی ہے اور بدعقیدہ بھی ۔ اتفاقاً"

معلوم کرتا ہے اسی کو ادراک کہتے ہیں ان باطنی قوتوں ہی کی تہذیب پر کشف حقائق کا انحصار ہے

قوت لامسہ کے مقابلہ میں باطن ذوق وشوق سے کام لیتا ہے ۔

قوت باصرہ کے مقابلہ میں باطن ادراک سے کام لیتا ہے ۔

قوت سامعہ کے مقابلہ میں باطن القاو الہام سے اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے قوت ذائقہ کے مقابلے میں محویت ہے غرضیکہ حواس خمسہ کے مقابلہ میں ادراک کے کئی مقامات ہیں صوفیاء کے ہاں ادراک بسیط ایک ایسی اصطلاح ہے جس سے حق تعالیٰ کے وجود کا ادراک ہوتا ہے لیکن اس ادراک سے غفلت اور ذہول اللہ تعالیٰ کے وجود سے غافل کر دیتا ہے ۔ یہ ادراک ظاہر طور پر ہر شخص کو حاصل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مظاہر کائنات کے ذرّہ ذرّہ سے نمایاں ہیں ۔ جہاں نگاہ پڑتی ہے مظاہر قدرت اللہ کے وجود کی شہادت دیتے ہیں لیکن شدت ظہور نے انسان اور خدا کے درمیان پردہ ڈال رکھا ہے ۔

ہر کس نہ شناسندہ راز ست دگرنہ

ایں ہا ہمہ راز ست کہ معلوم عوام ست

میں نے ایک دن دیکھا کہ تمام انبیا کرام صلوٰۃ اللہ علیہم ایک مجمعے میں تشریف فرما ہیں۔ وہ شخص بھی آیا مگر اسے وہاں سے ہٹا دیا گیا اور اعلان ہوا کہ (لیس منا) یہ ہم میں سے نہیں ہے! اسی اثنا میں میرے دل میں خیال آیا۔ ایک اور شخص جس کے متعلق میں متردد تھا کے متعلق بھی دریافت کر لوں، حضرات انبیاء کرام نے فرمایا۔ (کان منا) یہ ہمارا ہے۔ [۱۴۲]

۳۵ متشابہات کی تاویلیں

مجھے قضا و قدر کے کارکنوں نے اس راز سے آگاہ کیا ہے کہ الفاظ قرب۔ معیت احاطہ حق جن کا ذکر قرآن پاک میں آتا ہے تمام متشابہات ہیں۔ اسی طرح لفظ ید۔ اور وجہہ بھی متشابہات میں سے ہیں۔ اوّل۔ آخر۔ ظاہر باطن اور ان جیسے سینکڑوں الفاظ جو قرآن پاک کے مختلف مقامات پر پائے جاتے ہیں وہ متشابہات میں سے نہیں۔ ہم اللہ کو قریب مانتے ہیں مگر اس قرب کی کیفیت کو نہیں پا سکتے۔ اوّل مانتے ہیں مگر اولیت کے مقام کا تعین نہیں کر سکتے۔ ہمارے علم و فہم سے یہ تمام چیزیں بلند تر ہیں اللہ تعالیٰ تو ان تمام احساسات سے منزہ اور بلند تر ہے جو ہمارے کشف اور مشاہدہ میں آسکتے ہیں۔ بعض صوفیاء نے اپنے کشف اور

---

[۱۴۲]: ۔ حضرت مجدد کا یہ مشاہدہ بڑا اہم ہے۔ پھر آپ نے ان دونوں حضرات کے نام ظاہر کرنے سے اجتناب فرمایا ہے اور دونوں صوفیاء (مقبول و مردود) کے اسماء پردہ اخفا میں رکھے ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں حضرت مجدد کے معاصر تھے۔ ہم حضرت مجدد کی دوسری تحریروں میں سے بھی اِن حضرات کے نام تلاش کرانے میں ناکام رہے ہیں اگرچہ میرے بعض مجددی حضرات اور ارباب سلوک نے ان دونوں حضرات کے احوال و مقامات پر زبانی طور پر مجھے آگاہ فرمایا ہے ہو سکتا ہے کہ بعض سالکانِ سلسلۂ مجددیہ کو ان اسماء سے واقفیت ہو۔ (فاروقی)

اور مشاہدہ کے بلند و بالا دعوے کر کے بتایا ہے کہ وہ قرب اور معیت کے مقامات سے واقف ہیں۔ ہمارے نزدیک ان صوفیا کے دعوے مستحسن نہیں ہیں۔ انہوں نے فرقہ مجسمیہ (جو اللہ کے جسم کا قائل ہے) کے نظریات سے متاثر ہو کر یہ دعوے کیے ہیں۔ بعض علماء کرام نے ان دعوؤں کی تاویلیں کر کے علمی راہنمائی فرمائی ہے ہمارے نزدیک وہ بھی علمی قرب ہے۔ ید کی تاویل قدرت کے لفظ سے کی ہے۔ وجہ کی تاویل ذات سے کی ہے یہ بات ان لوگوں کے لیے قابل تسلیم ہے جو تاویل کرنے کو جائز سمجھتے ہیں ہم تو تاویلات کو جائز ہی نہیں سمجھتے اور ان تمام علمی تاویلات کو اللہ کے حوالے کرتے ہیں۔[۵]

اتباعِ رسول کی اہمیت

میرا یہ معمول تھا کہ کبھی تو میں نمازِ وتر شروع رات میں ہی ادا کر لیا کرتا تھا۔ کبھی رات کے آخری حصہ میں تہجد سے پہلے ادا کرتا۔ ایک رات میں نے دیکھا کہ نمازِ وتر دیر سے ادا کرنے کی صورت میں جب نمازی ایک بار سو جاتا ہے اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ آخری رات میں وتر کی نماز ادا کرے گا۔ اس طرح اس کی نیکیاں

۵: مفسرین قرآن نے متشابہات قرانیہ کی تشریح میں بڑی بڑی تاویلیں کی ہیں۔ فقہ علم الکلام۔ حدیث سے بعض مقامات کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان میں ید۔ ساق۔ قدم۔ التوا۔ ضحک۔ وجہ۔ حیا۔ غضب۔ لطف وغیرہ الفاظ آئے ہیں۔ یہ تمام متشابہات ہیں۔ ایسے ہزاروں مقامات ہیں جہاں اصطلاحات صوفیہ نے عقدہ کشائی کی ہے۔ متشابہات کی تشریح اور ان کی عقدہ کشائی ہر کہ و مہ کا کام نہیں بعض مقامات پر علماء کی علمی تاویلیں اور صوفیاء کے کشف بھی ان عقیدوں کو حل کرنے میں ناکام ثابت ہوئے ہیں۔

فلسفی را چشم حق بیں سخت نابینا بود   گرچہ بیکن باشد و یا بو علی سینا بود

لکھنے والے فرشتے عشار کی نماز سے لے کر وتروں کی ادائیگی تک نیکیاں درج کرتے رہیں گے۔ چنانچہ نماز وتر جس قدر دیر سے ادا ہو گی فرشتے اس کے نامہ اعمال میں زیادہ نیکیاں لکھیں گے وتر کی نماز کی ادائیگی میں دیری میں بھی ایک وجہ ہے۔ میرے نزدیک وتروں کی ادائیگی کی اول رات یا آخر رات ادا کرنے میں حضرت سیّدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی مدّنظر تھی۔ میرے نزدیک دنیا کی کوئی فضیلت حضور نبی کریم کی پیروی سے بڑھ کر نہیں ہے۔ حضرت رسالت مآب بعض اوقات وتر کی نماز اول شب فرمالیا کرتے تھے کبھی آخری شب۔ میں تو اسی بات کو سعادت سمجھتا ہوں کہ ہر کام میں حضور کی اتباع ہو۔ کئی لوگ بعض سنتوں کی ادائیگی کے سلسلہ میں شب بیداری کی نیت اور اس جیسی باتوں کو دخل دیتے ہیں۔ ہم تو ہزاروں راتوں کی بیداری کو سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر قربان کرتے ہیں اور حضور کی اتباع کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی فضیلت کو دانہ جو کے برابر بھی نہ خریدیں۔

ایک بار مجھے رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھنے کا موقعہ ملا۔ احباب کو جمع کیا اور کہا کہ اعتکاف میں حضور کی اتباع اور پیروی کے علاوہ کسی عمل کو قابل عمل نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ ہمارا دنیاوی امور سے علیحدگی کا مقصد صرف اور صرف اتباع رسول ہے ہمیں حضور کی پیروی نصیب ہو جائے تو سو گرفتاریاں قبول کرنے کو تیار ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر کسی قسم کا انقطاع یا اعتکاف قبول نہیں۔

آنرا کہ در سرائے نگاریست فارغ ست
از باغ بوستان و تماشائے لالہ زار

(جس کے گھر میں محبوب کی جلوہ فرمائیاں میسّر ہوں۔ اسے باغ بوستان اور لالہ زاروں

کے نظارے کی کیا ضرورت ہے)

محبّت ذاتی اور محبّت صفاتی میں امتیاز[1]

ایک مرتبہ میں درویشوں کی جماعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت کے جذبہ میں سرشار ہو کر کہہ دیا کہ میں تو اللہ کو اس لیے اپنا معبود مانتا ہوں کہ میرے حضور کا معبود اور رب ہے۔ حاضرین میری اس بات سے حیرت زدہ ہوگئے لیکن وہ میری مخالفت میں لب کشائی نہ کر سکے۔ میرا یہ دعویٰ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کے خلاف تھا "میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب میں گزارش کی تھی۔ یا رسول اللہ مجھے اللہ کی محبّت نے اس قدر مغلوب کر لیا ہے کہ اب آپ کی محبّت کے لیے میرے دل میں کوئی جگہ نہیں رہی" حضرت رابعہ بصری کی بات ان کے سکر کی نشاندہی کرتی ہے جب کہ میری بات اصلیت رکھتی ہے۔ انہوں نے یہ بات عالم سکر میں کہی تھی اور میں نے ہوش (صحو) میں کہی تھی انکی بات مرتبہ صفات میں ہے اور میری بات مرتبہ ذات سے لوٹ آنے کے بعد کی ہے۔

---

[1] :۔ اہل علم و دانش نے محبتہ کی بہت سی قسمیں لکھی ہیں اور ان پر بڑی تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے مگر حضرت مجدد الف ثانی کی یہ بات اپنا مقام رکھتی ہے۔ صوفیا نے جہاں محبت آثاری محبت ارادی۔ محبت اکتسابی۔ محبت حقیقی۔ محبت شہوانی۔ محبت طبعی۔ محبت محجوبی کا ذکر کیا ہے وہاں محبت ذاتی اور محبت صفاتی پر بھی مفصل گفتگو فرمائی ہے۔

محبت ذاتی تمام محبت کے مدارج سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ یہ دائمی قسم کی محبت ہے، جسے نہ زوال ہے نہ تغیر ہے یا تبدل ہے یہاں وجود مجازی کہ احدیت میں گم ہو جاتا ہے اور جملہ اسماء و صفات وحدت کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں عشق ذات میں ذات سے کام رہتا ہے تمکیں استقلال قرار و نہایت میں عاشق متمکن ہوتا ہے۔ جلال ہو یا جمال یا کمال

مرتبہ ذات میں اس قسم کی محبت کی گنجائش نہیں تمام نسبتیں پیچھے رہ جاتی ہیں۔
وہاں تو سراسر حیرت یا جہالت ہے بلکہ اس مرتبہ میں انسانی ذوق کے ساتھ محبت
کی نفی بھی کرتا ہے اور کسی طرح بھی اپنے آپ کو اللہ کی محبت کے اہل نہیں سمجھتا
محبت اور معرفت صرف مرتبہ صفات میں ہوتی ہے مرتبہ ذات میں نہیں ہوتی ۔
چنانچہ لوگوں نے جسے محبت ذاتی کہا ہے اس سے مراد صرف ذات احدیت نہیں
بلکہ اس سے مراد ذات ہے جس کے ساتھ ذات کے کچھ اعتبارات بھی شامل ہیں
حضرت رابعہؒ کی محبت مرتبہ صفات میں تھی ۔ والصّلوٰۃ والسلام علیٰ سید
البشر و آلہ الاطہر ۔

سابقہ صفحہ سے :۔ عاشق یکساں طور پر لطف اندوز ہوتا ہے۔ محبت صفاتی تغیر و تبدل کو
قبول کرتی ہے صفات جلال و جمال اور کمال کا مجموعہ ہیں اور صفات میں مختلف نتائج
ہوتے ہیں اس لیے صفاتی محبت کا مالک لبا اوقات تغیر و تبدل کا شکار ہوجاتا ہے ،
اسکے ہاں سے ثباتی اور اتار چڑھاؤ کا مد و جزر رہتا ہے اس کے ہاں درد و اندوہ کی
فراوانی ہوتی ہے کیونکہ فنا ۔ عینیت ۔ خفا ۔ زوال یہ سب صفات کے لوازمات ہیں چنانچہ
عاشق صفات پریشانی ۔ غم اور حیرانی سے محفوظ و مامون نہیں رہ سکتا ۔
۲۸ :۔

۴۸ علم ظاہر پر علم باطن کی برتری

علم کی فضیلت اربابِ علم کے رتبہ اور شرف کے مطابق ہوتی ہے یہ دیکھا جاتا ہے کہ معلومات کا وہ ذخیرہ جس پر علم کی بنیاد ہے کتنا قیمتی اور گراں قدر ہے جس قدر معلومات بلند ہوں گی علم بھی اسی قدر بلند ہوگا۔ علم باطن جو صوفیاء کرام کی وراثت ہے۔ تمام ظاہر علوم سے ممتاز اور افضل ہے علماء ظواہر خواہ کس قدر وسیع ہو علم باطن تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسکی مثال یوں ذہن نشین کریں۔ حجامت بنانے کا علم۔ خواہ کتنا ہی وسیع اور پختہ ہو وہ ایک عالم فاضل اور دانشور کے علم سے بلند تر نہیں ہو سکتا۔ دنیا کے مختلف علوم و فنون (سائنس اور ٹیکنالوجی) خواہ انسان کو کتنی بلندیوں اور آسائشوں تک لے جائیں روحانی علوم سے افضل نہیں ہو سکتے اسی طرح روحانی پیر و مرشد کے آداب کی رعایت علماء کرام کے شاگردوں کے آداب سے کہیں زیادہ ہوگی۔ بال کاٹنے والے۔ کپڑا بنانے والے استاد خواہ کتنے صاحب فن و کمال ہوں۔ ان کے شاگرد اپنے استاد کے وہ آداب ملحوظ خاطر نہیں رکھیں گے جو علم و فضل کی دنیا میں علم حاصل کرنے والے شاگرد رکھتے ہیں یہی فرق ظاہر علوم کے علماء اور روحانی علوم کے صوفیاء میں پایا جاتا ہے پھر ہم دیکھتے ہیں کہ علم کلام اور فقہ کا استاد صرف و نحو والے استاد سے زیادہ بلند مرتبہ ہے اور نحو صرف کا استاد مبتدی علوم کے اُستاد سے بلند تر ہوتا ہے۔ فلسفی علوم کا استاد دینی علوم سے فروتر ہے کیونکہ فلسفی علوم معتبر نہیں ہیں جبکہ دینی علوم اپنی اہمیت کے اعتبار سے پاکیزہ ہیں فلسفیوں نے اپنی لاطائل علمی موشگافیوں کے ساتھ ساتھ بعض چیزیں دینی اور قرآنی علوم سے بھی اخذ کی ہیں۔ پھر ان میں اقدامات اور ترمیمات کر کے جہل مرکب بنا دیا ہے وہ عقل و خرد کی بھول بھلیاں میں پھنسے ہوتے ہیں جبکہ نبوت کا انداز عقل نظری سے بلند تر ہو کر روحانی بلندیوں تک پہنچتا ہے۔

پیر اور استاد کے حقوق

ہمارے نزدیک پیر و مرشد کے حقوق تمام حقوق سے برتر ہیں۔ ہم یہاں تک کہتے ہیں کہ پیر و مرشد کے حقوق سے دوسرے افراد کے حقوق کی کوئی نسبت ہی نہیں اللہ تعالیٰ کے انعامات اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایات کے بعد پیر و مرشد کا ایک ایسا مقام ہے جس کے حقوق سب پر حاوی ہیں۔ سب سے بڑھ کر جو حقیقی مرشد ہیں وہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہے اگرچہ انسان کی ظاہری پیدائش والدین سے ہوتی ہے (اور والدین اپنے حقوق میں حق بجانب ہیں) مگر پیر و مرشد معنوی اعتبار سے انسانی زندگی کی ابدی صلاحیتوں کو بہم پہنچاتا ہے۔ پیر و مرشد ہی ایسی ذات ہے جو انسان کے قلب و روح کی گندگیاں صاف کرتا ہے اور ان کے اندرونی حصّوں کو آلائشوں سے پاک کرتا ہے مریدوں کی روحانی اور قلبی غلاظتوں اور آلائشوں کو صاف کرنے کے عمل میں بعض اوقات پیر و مرشد کو خود اپنی ذات کو ملوث کرنا پڑتا ہے اور ان کے ہاں یہ چیزیں سرایت کرتی ہیں اور انہیں ایک عرصہ تک مکدر اور گدلا رہنا پڑتا ہے پیر ہی ہے جسکی راہنمائی سے لوگ خدا رسیدہ ہوتے ہیں پیر ہی ہے جس کی راہنمائی سے تمام دینوی اور آخروی سعادتیں حاصل ہوتی ہیں پیر ہی ہے جسکی توجّہ سے نفس امارہ جو اپنی ذات میں خباثتوں کا مرجع ہے تزکیہ حاصل کرتا ہے اور پاک وصاف ہو کر مطمئنہ ہو جاتا ہے وہ آمادگی سے اطمینان کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ اور جبلی کفریات کو چھوڑ کر اسلام حقیقی تک رسائی حاصل کرتا ہے۔

گر بگویم شرح ایں بے حد شودا

(اگر میں اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کروں تو وہ ایک بحر ناپیدا کنار نظر آئے)

لہٰذا اگر کوئی پیر کامل اپنے مرید کو قبول کرے تو اس سے بڑھ کر اس کی

سعادت کیا ہو سکتی ہے اگر ایک مرید پیر و مرشد کی نگاہ سے گرا دیا جائے تو اسکی بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے۔ ولعوذ باللہ من ذالک۔

سالکان طریقت نے اللہ کی رضا کو پیر کی رضا کے پس پردہ کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پیر کی رضا ہی اللہ تعالیٰ تک راہنمائی کرتی ہے جب تک مرید اپنے پیر کی رضا میں اپنے آپ کو گم نہ کر دے وہ خدا تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ مرید کی سب سے بڑی غلطی پیر کا دل دکھانا ہے۔ ہر لغزش اور غلطی کا تدراک ہو سکتا ہے مگر پیر کی دل آزاری کا تدراک نہیں ہو سکتا۔ پیر کی ناراضگی مرید کی شقاوت اور بدبختی بن جاتی ہے۔

اعتقادات اسلامیہ اور احکام شرعیہ میں سب سے بڑا نقص اور خلل پیر و مرشد کی نافرمانی سے پیدا ہوتا ہے۔ احوال و وجدانیات جن کا تعلق باطن سے ہے۔ وہ تو ایک لغزش سے منہدم ہو جاتے ہیں پیر و مرشد کی ایذارسانی اور نافرمانی کے باوجود اگر کوئی کمال مرید میں موجود رہتا ہے[۲۶]۔ روحانیت نہیں۔ استدراجی بلندیاں ایک نا ایک دن پیوست نہیں ہوتی ہیں اور خرابی اور نقصان کا شکار ہوتی ہیں۔

---

[۲۶]:۔ استدراج اور کرامت دونوں وہ مقام ہیں جو مجاہدہ اور ریاضت سے حاصل ہوتے ہیں کشف اور استدراج دونوں اصطلاحات صوفیہ میں اپنا اپنا دائرہ کار رکھتے ہیں۔ جہاں روحانی منازل طے کرنے والے اولیاء اللہ کشف و کرامات کے ذریعہ اپنی ولایت کی علامت ظاہر کرتے ہیں وہ ریاضت کش جوگی۔ غیر مسلم اور شیطان صفت صوفی استدراج کے شعبدوں سے لوگوں کو متاثر کرتے ہیں۔ کشف کی مختلف اقسام میں سے ایک قسم کشف کونی ہے یا کشف صوری ہے اس سے دنیاوی مغیبات پر اطلاع ہو جاتی ہے اگر دینوی مغیبات پر خلاف اسلام۔ بے دین اور جوگی قسم کے لوگ اظہار کریں تو اسے استدراج کہا جاتا ہے۔ یہ مقام مجاہدات اور ریاضتوں کی وجہ سے حاصل ہو جاتا ہے اہل سلوک ایسی باتوں کو اہمیت

لطائف ستہ کا مقام

قلب کا تعلق عالم امر[۲۹] سے ہوتا ہے اسے عالم خلق سے وابستگی عطا کر کے عالم خلق کی طرف بھیجا گیا ہے اور گوشت کے اس ٹکڑے (دل) کے ساتھ جو بائیں پہلو میں ہوتا ہے۔ خصوصی تعلق عطا کیا گیا ہے۔ ہم یوں کہہ سکتے ہیں جس طرح ایک شہنشاہ کو ایک بھنگن سے عشق ہو جائے اور وہ وارفتہ ہو کر اس بھنگن کے گھر آ جائے روح قلب سے بھی لطیف تر ہے جس طرح قلب (دل) کا مقام بائیں پہلو میں ہے اسی طرح روح بائیں پہلو میں جلوہ فرما ہے۔ روح کے اوپر تین لطیفے ہیں۔ وہ خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا (معاملات میں بہترین درمیانی معاملہ ہوتا ہے) کے شرف سے مشرف ہے لطیفہ جس قدر لطیف تر ہو وہ وسط سے مناسبت رکھتا ہے۔ مگر لطیفہ سر اور لطیفہ خفی دونوں لطیفہ اخفیٰ کے دونوں

سابقہ صفحہ سے

نہیں دیتے کیونکہ انکی نگاہیں بہت بلند ہوتی ہیں وہ دنیا کی معمولی معمولی غیبی خبروں کو خاطر میں نہیں لاتے وہ حقیر اور بے کار چیزوں پر اپنا وقت عزیزہ ضائع نہیں کرتے وہ آخرت اور روحانیت کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ بعض ارباب کشف تو ایسے عالی ہمت ہوتے ہیں کہ وہ اپنی نگاہیں آخرت سے بلند تر رکھتے ہوئے فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے اعلیٰ مقامات پر رکھتے ہیں یہ عارف۔ محقق اور حق لوگ اللہ کی ذات کے ساتھ قائم رہتے ہیں اور اسی ہستی کو قائم بالذات جانتے ہیں اسکی ذات کے علاوہ تمام دنیا اللہ کے مظاہر کے پرتو ہیں۔

۲۹: صوفیاء نے عالم کی کئی قسمیں بیان کی ہیں۔ عالم الامر۔ عالم الخلق۔ عالم کلی۔ عالم مثال۔ عالم برزخ وغیرہ وغیرہ۔ ویسے تو اٹھارہ ہزار عالم ہیں۔ مگر عالم الامر وہ عالم ہے۔ جو بلا مدت اور مادہ اللہ کے حکم سے وجود میں آیا تھا عالم الخلق عالم شہادت ہے جو مادہ سے تخلیق کیا گیا تھا۔ حضرت مجدد نے عالم الامر اور عالم خلق سے قلب کا جو تعلق بیان فرمایا ہے وہ اہلِ تصوف کے لیے بڑی اہمیت کی چیز ہے۔

طرف ہوتے ہیں ان میں سے ایک دائیں اور دوسرے بائیں طرف واقع ہے۔ لطیفہ نفس جو اس کے قریب واقع ہے اور دماغ سے تعلق رکھتا ہے۔ لطیفہ قلب کی ترقی اسی لطیفہ سے وابستہ ہے۔ وہ روح کے مقام اور روح اس کے اوپر کے مقام میں رسائی قائم کرتا ہے۔ اسی طرح روح اور اس کے اوپر والے لطائف کی ترقی بھی اسی پر منحصر ہے۔ وہ اوپر کے مقامات پر رسائی حاصل کرتے رہتے ہیں مگر یہ رسائی شروع میں احوال کے طریقہ پر حاصل ہوتی ہے اور آخر میں مقام کے طور پر۔

نفس کی ترقی اس وقت ہوتی ہے جب وہ شروع میں بطور احوال اور آخر میں بطور مقام کے قلب کے مقام پر پہنچ جائے آخر کار یہ چھ کے چھ لطائف اخفیٰ میں پہنچ جاتے ہیں[۳] اور سب کے سب مل کر مقام قدس کی طرف پرواز کرنے کا ارادہ کرتے ہیں لطیفہ قالب کو خالی چھوڑ دیتے ہیں لیکن یہ پرواز بھی ابتداء میں بطور احوال ہوتی ہے۔ اور آخر میں بطور مقام اس وقت مقام فنا حاصل ہوتا ہے۔

ن۳ لطائف ستہ صوفیہ کے ہاں بڑی اہم منازل نہیں۔ جسم انسانی میں چھ مقامات ایسے ہوتے ہیں جن پر فیوض۔ انوار اور برکات الٰہیہ کا نزول ہوتا ہے ان میں مندرجہ ذیل چھ لطیفے خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

۱۔ لطیفۂ قلبی :۔ بائیں پستان سے دو انگلیاں نیچے ہوتا ہے اس کا نور سرخ ہے اور معرفت کا محل ہے۔

۲۔ لطیفۂ روحی :۔ دائیں پستان کے دو انگلی نیچے ہوتا ہے۔ اس کا نور سفید ہے اور محبت اس کا محل ہے۔

۳۔ لطیفہ نفس :۔ یہ زیر ناف ہے اس کا نور زرد ہے۔

۴۔ لطیفہ سری :۔ یہ سینہ میں ہوتا ہے اس کا نور سبز ہے۔ مشاہدہ کا محل ہے۔

موت سے پہلے موت کی وضاحت

صوفیاء کرام نے جس موت کو موت سے پہلے قرار دیا ہے (مُوتوا قبل اَن تموتوا[1]) اس سے مراد یہ ہے کہ لطیفہ قالب سے یہ چھ لطائف جدا ہو جاتے ہیں۔ ہم ان لطائف کا جسم سے جدائی کا مقام اور اثرات پہلے بیان کر آئے ہیں یہاں ان تمام تفصیلات کی گنجائش نہیں۔ ہم اس جگہ محض اشاروں اور کنایوں میں اظہارِ خیال کریں گے۔

یاد رہے کہ یہ ضروری نہیں کہ تمام لطیفے ایک جگہ جمع ہو جائیں اور اعلیٰ پرواز کریں کبھی قلب اور روح دونوں مل کر کام کرتے ہیں کبھی تینوں اور کبھی چاروں لطیفے کام

سابقہ صفحہ سے :- ۵۔ لطیفہ خفی :- یہ ابرو کے اوپر ہوتا ہے اس کا نور نیلگوں ہے اسے لطیفہ قالبہ بھی کہتے ہیں۔

۶۔ لطیفہ اخفیٰ :- ام الدماغ میں ہے۔ اس کا نور سیاہ ہے جس طرح آنکھوں کی سیاہی ہوتی ہے۔ حضرات مجددیہ کے ہاں انسان دس لطائف سے مرکب ہے۔ پانچ عالم امر سے اور پانچ عالم خلق سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان لطائف کے مختلف محل ہیں اور مختلف نور ہیں۔ بعض لطائف انبیاء کرام کے زیرِ قدم ہوتے ہیں۔ (فاروقی)

[1] صوفیا کرام نے موت سے پہلے موت کے فلسفہ کو بڑی خوبی سے پیش کیا ہے ان کی اصطلاحات میں کئی قسم کی اموات کا ذکر آتا ہے۔ موت اقتضائی۔ موت اضطراری۔ موت اختیاری اختیاری موت کو نفس کی خواہشات اور جسمانی لذات سے اعراض اور توبہ کی کیفیت کو کہتے ہیں اس موت کی چند اقسام ہیں جن میں موت ابیض۔ موت احمر۔ موت اخضر۔ موت اسود وغیرہ مشہور ہیں۔ ان اموات کی تشریح میں صوفیائے کرام نے بہت عمدہ گفتگو فرمائی ہے جسے تصوف کی کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اس موت قبل از موت پر بڑی عمدگی سے اظہارِ خیال فرمایا ہے۔ (فاروقی)

کرتے ہیں مگر ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ چھ لطیفوں کا مل کر پرواز کرنا یہ بات زیادہ عمدہ اور قابلِ اعتقاد ہے۔ یہ ولایت محمدی کے ساتھ مخصوص ہے[۱۳] اور اسکے علاوہ جو بھی صورت سامنے آتی ہے وہ بھی ولائت کی اقسام میں سے ایک ہے اور یہ چھ کے چھ لطیفے جسم (قالب) سے جدائی اختیار کر لیتے ہیں اور مقام قدس تک رسائی حاصل کر لینے اور اس کے رنگ میں رنگ جانے کے بعد اگر پھر قالب کی طرف لوٹ آئیں اور وہ سوائے محبت کے تعلق کے اور تعلق پیدا کر لیں۔ تو وہ قالب کا حکم اختیار کر لیتے ہیں اور ایسی اختلاط کے بعد ایک قسم کی فضا پیدا کرتے ہیں اور مردہ کا حکم اختیار کر لیتے ہیں۔ اس وقت ایک خاص تجلی سے منور ہوتی ہے اور از سر نو حیات پیدا کرتے ہیں۔ اور بقا باللہ کے مقام پر راسخ الاعتقاد ہو جاتے ہیں اور خدائی اخلاق کے کے ساتھ آراستہ و پیراستہ ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اگر انہیں وہ خلعت بخش کر دنیا کی طرف واپس کر دیں تو معاملہ قربت کے ساتھ انجام پاتا ہے اور تکمیل کا مقدمہ پیدا ہو جائے گا اگر دنیا کی طرف واپس نہ کریں اور قربت کے بعد ترقی حاصل نہ ہو سکے۔

---

[۱۳]: ۔ ولایت محمدی کا دائرہ اتنا وسیع ہے جس سے سینکڑوں ولایات کے چشمے پھوٹتے ہیں اولیا کرام نے ولایت محمدی کے انوار و اثرات کو حاصل کرنے میں عمریں صرف کی ہیں اور اپنے شیخ کی نسبت سے ولایت محمدی کے حصول کی جدوجہد کی ہے۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے ولایت محمدی کے چار مدارج قائم کیے ہیں۔ ولایت محمدی تصرفات صوری اور معنوی کے درمیان جامع ہے اور یہ خلافت سے ملی ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جنہیں خاتم کبیر بھی کہتے ہیں سے جاری ہوتا ہے ولایت محمدی اکی ایک قسم وہ بھی ہے جو صوری اور معنوی تصرفات کے درمیان تو ہے لیکن وہ خلافت کے مقرون نہیں ہے اس کے خاتم امام مہدی علیہ السلام ہیں۔ جن کا ظہور آخری زمانہ میں ہو گا۔ اس کے بعد نہ کوئی سلطان ہو گا۔ نہ ولی۔ آپ خاتم صغیر ہیں۔ ولایت محمدی کی تیسری قسم وہ ہے جس میں تصورات

تو وہ اولیائے عزلت سے ہو جائے گا اور طالبین کی تربیت اور ناقص لوگوں کی تکمیل اس کے ہاتھ سے نہیں ہو سکے گی۔ ہم یہ گفتگو اشاروں اور کنایوں میں کر رہے ہیں اس کی تفصیلات میں بڑے بڑے مقامات ظاہر ہو سکتے ہیں ہدایت اور نہایت (آغاز و انجام) کی منزلیں طے کیے بغیر ان مقامات کو سمجھنا نہایت مشکل ہے۔

کلام الٰہی کی حقیقت

اللہ تعالیٰ ازل سے ابد تک ایک ہی کلام سے متکلم ہے۔ یہ ایسا مربوط کلام ہے کہ اس کے اجزا اور ٹکڑے نہیں کیے جا سکتے۔ کیونکہ اللہ نہ تو گونگا ہے اور نہ خاموش وہ ان تمام نقائص سے منزہ اور پاک ہے یہ بات اہل طریقت کے ہاں تعجب کا باعث نہیں کہ ازل سے ابد تک وہاں ایک ہی آن (لمحہ) کا نام ہو۔ کیونکہ اللہ کی ذات پر زمانہ کا اجراء نہیں ہوتا اسکی ذات ماضی۔ حال اور مستقبل کی حدود سے بے نیاز ہے۔ ایک آن واحد میں ایک غیر مرکب کلام کے سوا اور کیا واقع ہو سکتا۔ اس کلام واحد سے مختلف تعلقات کے اعتبار سے کئی قسمیں پیدا ہو گئیں اور اس کا تعلق مامور (یعنی جسے حکم دیا جائے۔) سے ہے تو اسے امر (حکم) کہا جاتا ہے۔ اگر خبر دینے کے متعلق ہے تو خبر کہلائے گا۔ ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ گزشتہ یا آئندہ زمانہ کے متعلق کوئی خبر دینا بہت سے لوگوں کو مشکل میں ڈال دیتا ہے اور انہیں دلالت کرنے والی چیز کا تقدم و تاخر کی طرف لے جاتا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ اشکال نہیں ہے کیونکہ ماضی اور مستقبل دلالت کرنے والی چیزوں کی مخصوص صفات ہیں۔ تو جو اس آن (گھڑی) کے بسیط ہونے کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہیں مدلول کے مرتبہ میں وہ لمحہ (گھڑی) خود اپنی حالت پر ہے اور کسی قسم کا بسط و انبساط پیدا نہیں ہوا۔ لہٰذا اس مرتبہ میں گزشتہ اور آئندہ زمانوں کی گنجائش نہیں ہے۔

فلاسفہ (منطق و معقول کے علماء) نے تسلیم کیا ہے کہ ایک ہی حقیقت (ماہیت) کے لیے

وجود خارجی کے اعتبار سے لوازمات علیحدہ ہوتے ہیں اور وجود ذہنی کے اعتبار سے صفات جدا ہوتی ہیں جبکہ ایک ہی چیز ہیں مرتبہ وحدت کے مختلف ہونے کے اعتبار سے صفات ولوازم کا جدا جدا دو مختلف ہونا جائز ہو سکتا ہے اور دال مدلول ہیں در حقیقت ایک دوسرے سے الگ الگ نہیں۔ یہ تغایر در تغایر بدرجہ اولی موجود ہے اور ہم نے اوپر کہا ہے ازل سے ابد تک ایک ہی آن (لمحہ) ہے۔ تو یہ تعبیر کی تنگ دامانی کی وجہ سے ہے ورنہ وہاں تو اسکی بھی گنجائش نہیں۔ یہاں تو آن واحد بھی گراں ہے۔

امکانی حدود سے آگے ازل اور ابد ایک نکتہ پر متحد ہو جاتے ہیں۔

اہل علم کے ہاں یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ ممکن جب قرب الٰہی کے مقامات میں دائرہ امکان سے باہر قدم رکھتا ہے تو وہ ازل اور ابد کو متحد پاتا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب شب معراج کو عروج پر پہنچے تو آپ نے حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں دیکھا تھا۔ آپ نے ایک لمحہ کے لیے طوفان نوح کی ساری کیفیت ملاحظہ فرمائی تھی۔ پھر اہل بہشت کو بہشت میں دیکھا اور دوزخیوں کو دوزخ میں جلتے دیکھا اور بہشت میں داخل ہونے والوں کو پانچ سو سال کے عرصہ انتظار کو بھی مشاہدہ فرمایا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ امیر صحابہ میں سے تھے جب آپ دیر سے بہشت میں پہنچے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے دیر سے آنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے اپنے دشوار گزار راستوں اور مشکلات کی تفصیل بیان کی تھی حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام چیزوں کو ایک آن میں مشاہدہ کر لیا تھا اس میں گزشتہ یا آئندہ زمانوں کا کوئی امکان نہ تھا۔

مجھے (مجدد الف ثانی) حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل کئی بار ایسے مقامات سے گزرنا پڑا۔ میں نے ملائکہ کو عین سجود کی حالت میں پایا۔ یہ وہ ملائکہ تھے جو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کر رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ابھی تک حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے اپنا سر بھی نہیں اُٹھایا تھا۔ پھر وہ فرشتے جنہیں سجدے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ انہیں علیحدہ کھڑے دیکھا تھا وہ تمام حالات جو آخرت میں دکھائے جاتے ہیں۔ ایک آن میں نظر آ گئے۔ چونکہ اس واقعہ پر ایک عرصہ گزر گیا ہے۔ مجھے احوال آخرت کی تفصیل بیان کرنے کا اختیار نہیں۔ میں اپنے حافظے پر اعتماد نہیں کر سکتا۔

معراج نبوی اور عروج اولیاء میں فرق

یاد رہے معراج میں جو واقعات سامنے آئے تھے۔ وہ حضور صلی اللہ

نمبر ۳ ازل دراصل وہ معقول قبیلہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا ایک حکم ذاتی ہے جسے وہ اپنے کمالات میں ہی رکھتا ہے کسی کو اس مقام تک محسوس کرنیکی بھی ہمت نہیں یہ ازل دراصل ازل الازال ہے اس مقام کو اللہ کی ذات کے بغیر کسی دوسرے کو استحقاق نہیں نہ حکمی طور پر۔ نہ ظلی طور پر۔ نہ اعتباری طور پر۔ اللہ کا ابد اب بھی ایسے ہی ہے جیسے وجود کی تخلیق سے پہلے تھا۔ وہ کسی زمانے یا وقت میں اپنی ازلیت سے متغیّر نہیں ہوتا ابد سے مراد بھی بعدیت خدا ہے۔ اس کا ابد اور اسکا ازل اسکے وجود کی ہمیشگی ہے یہ اسکی ذاتی شان ہے۔ اس میں زمانے کی طرح تغیر اور تبدل نہیں ہے۔ زمانہ کے آغاز سے پہلے زمانے کے دوران میں اور زمانے کے خاتمے کے بعد اسکی جو شان تھی وہی ہے اور وہی رہے گی اسکا ازل ازل الازال ہے وہ مخلوق کے ازل سے مختلف ہے۔ اسکا ابد بھی ابدالآباد ہے وہ مخلوق کے ابد سے مختلف ہے وضاحت زمانی کا کوئی دخل نہیں جو اس کا ازل ہے وہی ابد ہے۔ دوسرے لفظوں میں نہ ازل ہے نہ ابد ہے۔ کان اللہ ولم یکن معہ شیئاً۔

علیہ وسلم کے جسم اور روح دونوں کے پیش آئے تھے آپ جو مشاہدات کیے وہ ظاہری آنکھ اور باطنی بصیرت دونوں سے کیے تھے حضور کے بعد دوسرے لوگوں کو (جو آپ کے طفیلی ہیں) ایسے واقعات محض روحانی ہیں اور وہ بھی ایسے واقعات جو حضور کی طبیعت میں دکھائی دیں۔ یہ سارے واقعات روح اور بصیرت کے دائرہ میں نہیں۔ ان پر جسمانی اور ظاہری آنکھوں کی رسائی نہیں ہوتی۔

در قافلہ کہ اوست دانم نرسم
ایں بس کہ زدور بانگ جرسم

(جس قافلہ میں وہ ہے میں اُس تک نہیں پہنچ سکتا۔ ہاں اتنی دُور سے میں اس قافلہ کی گھنٹیاں سُن پاتا ہوں۔

وَعلیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات۔

۴۱۔ تکوین کیا ہے؟

تکوین اللہ تعالیٰ کی حقیقی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ امام ابوالحسن اشعری (اشاعرہ) اسے صفات اضافیہ میں شمار کرتے ہیں اور وہ قدرت اور ارادۂ خداوندی کو ہی ایجاد عالم کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک قدرت اور ارادہ کے علاوہ تکوین ایک حقیقی صفت ہے۔ ہم اس کی وضاحت یوں کریں گے۔

قدرت کا مطلب یہ ہے کہ کسی کام کو کرنے یا اسے چھوڑنے کا اختیار ہو۔ ارادہ کا یہ معنی ہے کہ کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کو مخصوص اور متعین کر لیا جائے۔ اس طرح قدرت کا درجہ ارادہ کے درجہ سے اعلیٰ ہے اور تکوین جسے ہم صفات حقیقیہ میں سمجھتے ہیں اس کا درجہ قدرت اور ارادہ کے درجوں کے بعد آتا ہے اس حقیقت کا کام اس خاص کردہ جہت کو وجود میں لانا ہے لہٰذا قدرت تو کام کرنے کی جہت کو درست کرتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں قدرت سے

فعل کی درستگی عمل میں آتی ہے اور ارادہ فعل کی جہت کو خاص کرنے والی صفت ہے۔ اور تکوین اسے وجود میں لانے والی ہے۔ لہٰذا تکوین کو صفت مانے بغیر چارہ کار نہیں اسکی یہی صورت ہے جو استطاعت مع الفعل کی ہوتی ہے جسے علماء اہلسنت نے بندوں میں ثابت کیا ہے اور کوئی شک نہیں کہ ایسی استطاعت ثبوت قدرت کے بعد ہی ہو سکتی ہے بلکہ یہ ارادہ کے تعلق کے بعد ہوتی ہے اور وجود بخشی کا تحقق (ثبوت) اسی استطاعت کے ساتھ وابستہ ہے بلکہ وہ استطاعت ہی فعل کی حیثیت ضروری قرار دیتی ہے۔ اس کے بالمقابل ترک کی جہت مفقود ہے۔

تکوین کی صفت کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے وجود بخشی بطور ایجاب، یعنی واجب اور ضروری قرار دینے کے ہوتی ہے۔ لیکن یہ ایجاب (ضروری قرار دینا) واجب تعالیٰ کی ذات میں کوئی ضرر نہیں دیتا۔ کیونکہ اس کا ثبوت صفت قدرت اور صفت ارادہ کے متحقق ہو جانے کے بعد ہوتا ہے قدرت کے معنیٰ فعل (کرنے) یا ترک (یعنی چھوڑنے) کے ہے اور ارادہ کا معنی قدرت کے فعل کو خاص کر لینے کے ہے۔

فلسفہ والوں نے ہمارے اس نظریے کے خلاف نظریہ قائم کیا ہے انھوں نے اگر چاہیئے تو پیدا کر سکتا ہے کو واجب الصدق خیال کر لیا ہے اور ترک کو ممتنع الصدق قرار دیا ہے اور صفت ارادہ کی نفی کر دی ہے۔ اس نظریہ کے مطابق ایجاب صریح لازم آتا ہے۔

وہ ایجاب جو ارادہ کے تعلق اور دو زیر قدرت جہتوں میں سے یک جہت کی تخصیص کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ وہ اختیار کو لازم کر دیتا ہے بلکہ اختیار کی تاکید کرتا ہے۔ اسے نفی کرنے والا نہیں فتوحات کے مؤلف (حضرت محی الدین ابن عربی) کا کشف حکماء کی رائے کے موافق واقع ہوا ہے وہ قدرت کے سلسلہ میں واجب

الصدق سمجھتے ہیں اور دوسروں کو ممتنع الصدق۔ تو اس طرح ایجاب کو لازم کر لینا ہی ہے
اس نتیجہ میں ارادہ بالکل بے کار ہو جاتا ہے کیونکہ دوسرا بڑی جہتوں میں ایک جہت
کو خاص کر لینا یہاں پایا ہی نہیں جاتا۔ ہاں اگر تکوین کی صفت میں ایجاب کا اثبات
کریں تو اسکی گنجائش نکل سکتی ہے کیونکہ وہ تو ایجاب کے شائبہ سے مبرّا اور پاک
ہے یہ بہت ہی باریک نکتہ ہے جسے ہر شخص نہیں سمجھ پاتا۔ میرا یہ دعویٰ ہے کہ اس
باریک نکتہ کو متعلقہ اہلِ تصوف میں سے کسی نے بیان نہیں کیا علمائے ماتریدیہ
نے اس صفت کا اثبات کیا ہے لیکن وہ بھی اس نکتہ کی باریکی کی طرف نہیں گئے۔
ماتریدیہ کو سنت نبویہ علیہ التسلیمات کی پیروی سے ہی حاصل ہوا ہے وہ اپنے
افکار و نظریات میں تمام متکلمین۔ فلاسفہ اور صوفیا سے ممتاز مانے جاتے ہیں۔
مَیں خود بھی ماتریدیہ (اتباع سنت کرنے والے) کے خوشہ چینوں میں سے
ہوں ہماری دُعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نظریات پر قائم و دائم رکھے اور
حضور کی اتباع سُنت پر قائم و دائم رکھے۔[۱۳۱]

۴۲۔ رؤیت باری تعالیٰ

آخرت میں مومنوں کو دیدارِ الٰہی کی دولت
ملے گی۔ یہ اہلسنت کا عقیدہ ہے اسلام
کے دوسرے فرقے اور فلاسفہ رویت باری تعالیٰ کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے
انکار کی بنیاد یہ ہے غائب کو حاضر پہ خیال نہیں کرنا چاہیے لیکن ہمارے لیے
انکی یہ بنیاد غلط اور فاسد ہے نظر آنے والی ہستی جبکہ بے چوں و بے چگوں ہے۔

۱۳۱۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس السرہ السامی کا یہ دعویٰ واقعی درست ہے کہ آپ نے
بعض مقامات سلوک کو متکلمین اور فلسفہ دانوں سے بڑھ کر بیان فرمایا ہے جن نکات کو
آج تک ہمارے صوفیا اور فلاسفہ بیان کرنے کی جرأت نہیں کر سکے انہیں حضرت مجدد
نے نہایت نفیس اور لطیف انداز میں بیان فرمایا ہے اور جس باریک بینی سے آپ نے بعض

اس کا دیدار اور رویت بھی بے چون و بے چگون ہو گا اس پر ایمان تو لایا جا سکتا ہے، مگر اسکی کیفیت میں مشغول نہیں ہوا جا سکتا اور یہ بات قطعاً نہیں کہی جا سکتی کہ وہ کیسا ہے ؟ کیوں ہے ؟ قدرت نے اس راز کو اپنے چند خصوصی اولیاء اللہ پر کھولا ہے جو کچھ وہ مشاہدہ کرتے ہیں وہ رویت حق تو نہیں مگر اسے ہم حق کی رؤیت سے دور بھی نہیں کہہ سکتے۔ آج ہم یہ محسوس کرتے ہیں گویا ہم اللہ کی ذات کو دیکھ رہے ہیں مگر قیامت کے دن تو اسے سر کی آنکھوں سے دیکھیں گے اس مشاہدہ حق اور رؤیت باری تعالیٰ کے باوجود اسکی ذات کا ادراک نہیں کر سکیں گے۔ لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَار (نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکیں گی) صرف دو چیزیں معلوم ہو سکیں گی ایک تو اس بات کا یقینی علم کہ وہ دیکھ رہے ہیں۔ دوسرے رویت حق کی وہ لذت جو صرف دیدارِ الٰہی کا ہی حصہ ہے ان دو چیزوں کے علاوہ رؤیت کے تمام لوازمات مفقود ہوں گے۔

سابقہ صفحہ سے :۔ مقامات کی تشریح کی ہے۔ وہ موجود کہ فلاسفہ اور صوفیاء تو کیا سابقہ حضرات میں سے اکثر مقتدر صوفیاء خاموش دکھائی دیتے ہیں اور ہمیں ان کے افکار میں وہ نکتے نہیں ملتے جو حضرت مجدد کے اشاروں میں پائے جاتے ہیں۔ اشاعرہ اور ماتریدیہ سابقہ زمانہ میں اسلامی فلسفہ کے قابل قدر نظریاتی فرقے تھے۔ یہ دونوں علماء اہلسنت سے تعلق رکھتے تھے۔ ماتریدیہ کے فلسفہ اور نظریات کی بنیاد اتباع سنت نبویہ ہے۔ لہٰذا حضرت مجدد الف ثانی نے ان حضرات کے نقطۂ نظریہ کو نہ صرف پسند کر کے اپنایا ہے بلکہ اپنے آپ کو ان کا خوشہ چین قرار دیا ہے۔ دراصل حضرت مجدد کے نظریات اور خیالات کی بنیاد اتباع سُنت پر ہے آپ کے نزدیک دوسری تمام فلسفیانہ اور صوفیانہ موشگافیاں ہیچ ہیں۔ ہم اس موضوع پر بڑی تفصیلی گفتگو کرنا چاہتے تھے مگر قارئین کرام کی لطافت طبع کے خیال سے اشاروں کنایوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ (فاروقی)

یاد رہے کہ رویت باری تعالیٰ کا مسئلہ علم کلام کے تمام مسائل سے باریک تر ہے اور مشکل بھی۔ عقل کی رسائی اس نکتہ تک نہیں ہے۔ یہ عقل سے نہ ثابت کیا جا سکتا ہے اور نہ اُسکی صورت کشی کی جا سکتی ہے جو صوفیاء اور علماء انبیاء کی پیروی کرنے والے ہیں۔ انہوں نے اپنے نورِ فراست سے دریافت کیا ہے۔ انہیں یہ نورِ فراست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار نبوت سے ملا ہے اسی طرح علم کلام کے ہزاروں ایسے باریک مسائل ہیں جہاں عقل کی رسائی نہیں ہے۔ علمائے اہلسنت کو اللہ نے نورِ فراست سے نوازا ہے مگر صوفیہ کو نورِ فراست کے ساتھ ساتھ کشف اور شہود کی قوت بھی حاصل ہے۔

کشف اور فراست میں فرق؟

کشف اور فراست کے درمیان ایسا ہی فرق ہے۔ جس طرح اندازہ اور تخمینہ اور حسیات میں ہے فراست نظریات کو حسیات بنا دیتی ہے۔ جب کہ کشف انہیں حسیات بنا دیتا ہے ایسے تمام کشفی مسائل جنہیں اہلسنت مانتے ہیں۔ دوسرے نظریات رکھنے والے حضرات نے انہیں عقلی پیمانے میں محدود کر دیا ہے۔ اہلسنت کے مخالفین ہر مسئلہ کو عقل کے معیار سے تسلیم کرتے ہیں اور یہ تمام عقل و خرد کی دنیا فراست پر قائم ہے اور نورِ فراست ہی انہیں واضح کرتا ہے[۲۴] حالانکہ کئی چیزیں کشف کے مشاہدہ سے سامنے

---

۲۴ :۔ صوفیاء نے کشف اور فراست کی اصطلاحات کو اپنی گفتگو میں اکثر استعمال کیا ہے مگر حضرت مجدد الف ثانی نے ان دونوں کیفیتوں کو جس لطیف انداز میں بیان فرمایا ہے وہ دوسرے صوفیاء کے بیان میں گم نظر آتا ہے۔ فراست دلوں کی باتوں یا لوگوں کے حالات کو اللہ کے نور کی روشنی میں معلوم کرنا اور ان سے آگاہ ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے "فراست مومن" کو بڑا بلند رتبہ دیا ہے اور عام لوگوں کو خبردار کیا ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو۔ کشف پردہ اٹھانے کو کہتے ہیں۔ صوفیہ کے ہاں امور غیبی اور معانی حقیقی پر سے حجابات کو ہٹانا ہے اور حقیقت کو آ گئی ہیں۔ ہم اس موضوع پر اگر تفصیلی گفتگو کریں گے تو یہ محض اسکی صورت کشی اور تنبیہ

ہوگی ۔ دلیل (فکر و نظر) کے ساتھ ایسی حقیقتوں کو ثابت نہیں کیا جا سکتا ۔ کیونکہ اس میدان میں عقل محض نابینا اور ناکام ہے ۔ ہم ان علماء کرام پر تعجب کیے بغیر نہیں رہ سکتے جو خود تو مقام استدلال میں آکر کھڑے ہوتے ہیں اور زور دیتے ہیں کہ اپنی بات کو دلائل عقلیہ سے ثابت کر دیں اور مخالفین پر اپنی حجت پوری کر دیں ۔ مگر وہ اس بات پر نہ قائم رہ سکتے ہیں ، نہ ثابت کر سکتے ہیں ۔ مخالفین کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح

سابقہ صفحہ سے :۔ وجوداً اور شہوداً پالینے کا نام ہے کشف کی دو قسمیں ہیں کشف صوری اور کشف معنوی ، کشف صوری کی ایک ادنیٰ سی صورت یہ ہے کہ جو چیزیں خواب میں نظر آئیں وہ بیداری میں بھی نظر آئیں ۔ مگر کشف معنوی عام طور پر حواس خمسہ کی تمام کیفیتیں عالم مثال میں صورتوں کا ادراک ہوتا ہے ۔ یہ ادراک لیسا اوقات مشاہدہ کی صورت میں ہوتا ہے اہل کشف ان روحانی انوار کو اور روحانی صورتوں کو بچشم خود دیکھ لیتے ہیں کئی چیزیں سماع سے ہی معلوم ہو جاتی ہیں ۔ حضور نبی کریم کی وحی کی مختلف صورتیں گھنٹی کی آواز شہد کی مکھی کی آواز جیسے کئی انداز تھے ۔ کئی بار انوار الٰہی کی روشنی اور شمائم ربانی کو سونگھنے کی صورت میں بھی ہوتی تھیں ۔ حضور کا یمن سے رحمٰن کی خوشبو بھی ایسا ہی کشف معنوی تھا ۔ کشف جاننا دیکھنا سونگھنا ، محسوس کرنا ۔ خوبصورت شکل میں دیکھنا ۔ یا کسی خوش ذائقہ چیز کے چکھنے کی کیفیتیں ہوتی ہیں مکاشفات کی بے پناہ قسمیں ہیں جنہیں صوفیا کرام نے مختلف انداز میں محسوس کیا ، ان مکاشفات کے مختلف مدارج ہوتے ہیں جن پر حضرات صوفیا اپنے اپنے مراتب کے اعتبار سے فائز ہوتے ہیں ۔

یاد رکھیں کشف کبھی غلط نہیں ہوتا ۔ ہاں بعض اوقات کشف کے سمجھنے میں غلطی لگ سکتی ہے ۔ کشف سے صاحب کشف کو بعض امور خاص پر اطلاع ہو جاتی ہے ۔ ضروری نہیں کہ کلی اقدار پر اطلاع ہو جائے ۔ یہی نکتہ حضور سے اپنی امت کے اولیاء کرام اور ارباب کشف ان کے دلائل ، کمزور اور ناقص ہیں ۔ اسی طرح ان کے مسائل بھی غلط اور کمزور ہیں ۔ ہمارے علماء اہلسنت نے استطاعت مع الفعل (کام کے ساتھ طاقت کا استعمال) کا اثبات کیا ہے

یہ مسائل نورِ فراست اور کشف صحیح سے ثابت ہو چکا ہے مگر دوسری طرف کے فلاسفہ جو دلائل اور نکات انہیں ثابت کرنے کے لیے پیش کرتے ہیں وہ کمزور بھی ہیں اور باطل بھی صرف دو زمانوں کا نزاع بن کر رہ جاتا ہے کہ ان میں اعراض باقی نہیں رہتے۔

اس مسئلہ کو ثابت کرنے کے لیے ان لوگوں کے پاس سب سے بڑی دلیل صرف یہ ہے کہ دو زمانوں میں اعراض باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ اگر عرض باقی رہ جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ عرض خود عرض ہی کے ساتھ قیام پذیر ہے۔ حالانکہ ایسا ممکن نہیں۔ مخالفین نے اس دلیل کو ناکارہ اور بے کار سمجھا اس لیے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ مسئلہ ہی ناقص ہے انہوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ اس مسئلہ اور ایسے ہی دوسرے مسائل صرف نورِ فراست سے حل ہوا کرتے ہیں اور نورِ فراست انوارِ نبوت سے لیا گیا ہے لیکن یہ ہماری اپنی کوتاہی ہے کہ ہم صرف اندازہ و تخمینہ سے متعلق چیزوں اور بدیہی باتوں کو مخالفین کی نگاہ میں نظری بنا بنا کر پیش کرتے ہیں اور تکلفات کے ساتھ ثابت کرنے کے لیے تاویلی بحثیں کرتے چلے جاتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ ہماری بدیہی چیزیں مخالفین کو متاثر نہیں کر سکیں گی۔ ہمیں اس بات کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ ہم نے تو واضح طور پر تبلیغ اور ترغیب کرنا ہے۔ کسی

سابقہ صفحہ سے: ... کو بتایا تھا کہ آپ سب کچھ جاننے کے باوجود فرمایا مَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ۔ (میں نہیں جانتا کہ کل میرے ساتھ یا تمہارے ساتھ کیا ہوگا) یہ حضور کے علوم کے سمندروں کی وسعتوں کے باوجود اس لیے کہا گیا کہ ہر صاحب کشف تمام امورِ غیبیہ کی رسائی کا دعویٰ نہ کرتا پھرے۔ اسی لیے آپ نے حجاب کی تصریح کر دی تاکہ کوئی شخص مغالطے میں نہ رہے۔ (استفادہ از سرِ دلبران)

کو متاثر کرنا یا قائل کرنا ہمارا کام نہیں جس انسان کے اندر اسلامی دل و دماغ ہے۔ وہ درست سوچ کا مالک ہے اور حسن عقیدت کے جذبہ سے معمور ہے وہ یقیناً اسے

قبول کرے گا۔ جو شخص بے نصیب ہو اسکی طبیعت میں انکار اور کج بحثی ہی موجود ہو وہ یقینی طور پر ان باتوں کو تسلیم نہیں کرے گا اور اسے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔

ماتریدیہ کون ہیں؟

علمائے اہلسنت میں شیخ الاسلام شیخ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ اور نظریہ بڑا موزوں اور مناسب ہے انہوں نے صرف مقاصد کو بیان کیا ہے فلسفیانہ موشگافیوں اور باریکیوں سے دور رہنے کی کوشش کی ہے فلسفیانہ انداز پر نظر و استدلال کا طریقہ علمائے شیخ ابوالحسن اشعری قدس سرہٗ نے شروع کیا تھا۔ آپ بھی اہلسنت وجماعت کے مقتدر علمائے دین سے ہوئے ہیں انکی یہ خواہش تھی کہ مسائل شرعیہ اور اعتقادی نظریات کو فلسفیانہ استدلال سے ثابت کیا جائے یہ بات اگرچہ بڑی دشوار ہے مگر آپ نے (اپنے وقت کے تقاضوں کے پیش نظر) فکر و استدلال کو فلسفیانہ موشگافیوں سے بیان کیا ہے۔ ان کے اس رویے سے مخالفین بھی دین اور اعتقادیات کو فلسفہ کی زد میں لے آئے۔ جس سے اہلسنت کو بڑا نقصان پہنچا۔ مخالفین اکابر اہلسنت پر زبان درازیاں کرنے لگے اور انہیں یہ جرأت ہو گئی کہ دین کا ہر مسئلہ عقل و خرد کے ترازو پر رکھ کر فلسفیانہ انداز سے پیش کریں۔ اس طرح اہلسنت کی اعتقادی زندگی میں ایک انتشار رونما ہو گیا اور وہ اسلاف کی

لہ :۔

عہ : فرقہ ماتریدیہ کے بانی ابو منصور محمد بن محمود ماتریدی ہیں۔ آپ حضرت امام ابو حنیفہ کے شاگردوں کے شاگرد تھے وہ حنفی فقہ کے پابند تھے۔ ماترید سمرقند کے ایک محلے کا نام ہے آپ نے ۳۳۳ھ میں وفات پائی اور سمرقند میں دفن ہوئے۔ ماتریدیہ نظریات میں یہ چیز اصولی طور پر پائی جاتی ہے کہ قرآن وسنت کی اتباع کے علاوہ کسی راہنمائی کو قبول نہ کیا جائے۔ جو علم یقینی دلیل سے حاصل ہو اسے کسی استدلالی یا نظری ذریعہ سے نہ لیا جائے وہ اشعریہ اور ضابلہ سے کئی مسائل میں اختلاف رکھتے ہیں۔ علمائے احناف کی اکثریت ابو منصور ماتریدی کے اقوال کے تابع ہے۔ اس طبقہ میں بڑے بڑے جلیل القدر علمائے احناف گزرے ہیں

جنہوں نے عقائد اور نظریات کی اصلاح کے لیے بڑا کام کیا ابو منصور ماتریدی نے بڑی اہم کتابیں لکھی ہیں جن میں کتاب التوحید۔ کتاب المقالات۔ کتاب بیان المعتزلہ۔ کتاب ترد قرامطہ۔ کتاب رد اصول خمسہ باہلی وغیرہ بڑی مشہور ہوئی تھیں۔ تاویلات القرآن ایسی کتاب ہے اپنی مثال آپ ہے۔ اس نظریہ مذہب نے اسلامی دنیا کے ذہنی فتنوں کا نہ صرف مقابلہ کیا، بلکہ نظریات کی اصلاح کی۔

پاکیزہ تعلیمات سے دُور ہونے لگے۔

اللہ تعالیٰ اہل حق کو ان معتقدات پر ثابت قدم رکھے جو انوارِ نبوت سے ثابت ہیں۔

درجہ یقین

اللہ تعالیٰ نے وَ اَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ (اور بہر حال اپنے پروردگار کی نعمت کو بیان کرایا کرو) اس آیت کریمہ میں میں اس نعمت عظمیٰ کا اظہار کرنا چاہتا ہوں جو مجھے علم کلام سے تعلق رکھنے والے اعتقادات کی نسبت جو اہلسنت و جماعت کی آراء کے مطابق واقع ہوئے ہیں۔ اور ایسا یقین حاصل ہو چکا ہے جو مجھے دوسرے حقائق کی نسبت سے حاصل ہوا ہے ظن اور وہم دیکھائی دیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں میں یہ یوں کہوں گا کہ اگر کسی مسئلہ میں مجھے علم کلام کی نسبت سے یقین حاصل ہوا ہو اور دوسری طرف مجھے اہلسنت کی آراء اور اجماع سے جو یقین حاصل ہوتا ہے وہ پہلے یقین سے بہتر ہے میں علم کلام کے نتیجے کو یقین کا لفظ بولنے پر افسوس کروں گا۔ اہل فرد اور اربابِ عقول اس بات کو مانے یا نہ مانے اور مجھے یقین ہے وہ اسے نہیں مانیں گے کیونکہ جو ابحاث عقل کی روشنی میں ثابت نہ ہوں وہ اہلِ عقل نہیں مانتے اور ظاہر بھی عقل ہمیشہ ایسے مقامات پر انکار کرتی جاتی ہے اس معاملے کی حقیقت یہ ہے کہ یقین کرنا دل کا کام ہے اور یقین جو قلب کو حاصل ہوتا ہے وہ حواس کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور یہ حواس جاسوسوں کی طرح اِدھر اُدھر سے معلومات حاصل کر کے دل تک پہنچاتے

ہیں۔ دوسری طرف وہ یقین جو علم کلام کے کسی مسئلہ کے متعلق حاصل ہوتا ہے وہ تعبیراسی حواس کے ذریعے اور براہِ راست ہوتا ہے۔ جس طرح ہم یقین سے نتائج کو بارگاہِ ربّ العزّت سے بطورِ الہام حاصل کرتے ہیں اور اس میں کوئی ذریعہ اور واسطہ نہیں ہوتا۔ لہذا علم کلام سے حاصل کردہ یقین علم الیقین کہلاتا ہے اور الہامی طور پر حاصل کردہ یقین عین الیقین ہوتا ہے۔ اب آپ محسوس کریں گے کہ ان دونوں کے درمیان کتنا بڑا فرق ہے!

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

۴۴۔ فنائے ارادہ

جب طالبِ حقیقی کا سینہ اللہ کے فضل وکرم سے تمام عارضوں اور خواہشات سے خالی ہو جاتا ہے اور اسے اللہ کی ہدایت کے بغیر کسی چیز کی طلب نہیں رہتی تو اسے وہ کچھ میسّر آ جاتا ہے جو اُس کی پیدائش کا مقصد اولین تھا۔ اس مقام پر پہنچ کر وہ بندگی کی حقیقت کو بجا لاتا ہے۔ اس کے بعد اگر قدرت چاہتی ہے تو اُسے ناقص لوگوں کی تربیت پر مقرر کر دیا جاتا ہے اور اسے اس دنیا کی طرف واپس بھیج دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اپنی طرف سے ایک قوّتِ ارادی عنایت فرماتا ہے اور اسے یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ قولی اور فعلی تصرفات میں مختار اور مجاز کی حیثیت سے کام کرے جس طرح ایک ایسا غلام جسے اُس کا مالک اجازت دے دیتا ہے کہ وہ اپنے مالک کے تصرفات کو ناقص کرتا رہے۔ وہ مختار اور اجازت یافتہ ہوتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں ایک طالب اللہ کے فضل سے قرآنی اخلاق کے ساتھ آراستہ و پیراستہ ہو کر صاحبِ ارادہ بن جاتا ہے وہ دوسروں کے لیے جو کچھ چاہتا ہے کر تا جاتا ہے۔ اس کے سامنے دوسروں کی بہتری اور دادرسی ہی پیشِ نظر ہوتی ہے وہ اپنی خواہش اور آرزو سے دست بردار ہوتا ہے اس کے احکام اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ارادے کے تابع ہوتے ہیں اور یہ بلند ترین مقام اللہ تعالیٰ کی کمال عنایت سے

ملتا ہے۔

یہ صاحبِ ارادہ جو کچھ خود چاہے وہی واقعہ میں آجائے۔ ضروری نہیں ہے بلکہ یہ جائز بھی نہیں۔ کیونکہ ایسا سمجھنا شرک بھی ہے اور اللہ تعالیٰ ایسی بندگی کو برداشت نہیں کرتا۔ اُس کا ہر حکم اللہ کی رضامندی کے تابع ہوتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی فرمادیا تھا۔ اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ط یارسول اللہ آپ اپنی مرضی سے کسی کو ہدایت نہیں دیتے ہاں جب اللہ تعالیٰ کی خواہش ہوتی ہے تو آپ اسے بجا لاتے ہیں) جب سیّد البشر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ اللہ کی منشا کے بغیر توقع میں پڑ سکتا ہے تو دوسروں کی وہاں کیا مجال یہ بھی ضروری نہیں کہ صاحبِ ارادہ کی تمام مرادیں اور احکامات اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوں۔ اگر ایسا ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اقوال اور افعال پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہہ نازل نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَاکَانَ لِنَبِیٍّ (نبی کے لیے یہ بات مناسب نہیں پھر یہ بھی فرمایا کہ عفا اللّٰہ عنك (خدا نے آپ کو معاف فرمادیا) یاد رہے کہ معافی کا تصوّر تو کسی کوتاہی پر ہی ہوسکتا ہے اسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اُن تمام باتوں کے لیے نہیں ہے جو انسانوں سے ظاہر ہوتی ہیں جس طرح کفر اور گناہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ہے مگر یہ اُس کی رضا میں سے نہیں ہوتی۔ قرآن پاک میں وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بندوں سے کفر اور انکار کو پسند نہیں کرتا جب خود اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور تخلیق اس کی مرضی کے خلاف ہوسکتا ہے تو جس بندے کو اس نے صاحبِ ارادہ کے مقام پر فائز کیا ہے اس کے بعض احکام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف بھی ہوسکتے ہیں۔

۴۵۔ کلام اللہ کی راہنمائی

سلوک کی تمام منزلیں طے کرتے وقت مجھے کلام اللہ سے ہی راہنمائی ملتی رہی ہے

اور میرے پیرو مرشد (یہ شیخ خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ) قرآن پاک کی روشنی میں ہی میری راہنمائی فرماتے رہے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں قرآن پاک ہی میرا پیرو مرشد ہے۔ اگر مجھے قرآن پاک سے راہنمائی نہ ملتی تو محبوب حق کی عبادت کی کوئی راہ نہ نکلتی اس راستہ میں ہر لطیف سے لطیف چیز بھی اَنَا اللّٰہ (میں خدا ہوں) کی صدائیں لگاتی سنائی دیتی ہے۔ اور راستہ پر چلنے والے کو اپنی عبادت میں گرفتار کر لیتی ہے۔ اگر وہ چیز "چوں" ہے تو اپنے آپ کو "بے چون" ہونیکی صورت میں ظاہر کرتی ہے اور اگر تشبیہ ہے تو اپنے آپ کو "تنزیہ" کی صورت میں سامنے لاتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں امکان وجوب کے ساتھ ملا ہوا ہے حدوث اور قدم کے ساتھ خلط ملط ہے۔ باطل حق کی صورت میں ظاہری ہوتا ہے۔ گمراہی کو ہدایت کی شکل مل جاتی ہے۔ اندریں حالات سالک ایک اندھے مسافر کا نمونہ بن جاتا ہے اور ہر چیز کو دیکھ کر ھٰذا ربّی (یہ میرا رب ہے) کہہ کر آگے بڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے اوصاف میں خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" (آسمانوں اور زمینوں کا خالق) کہہ کر پکارتا ہے پھر وہ "رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ" (مشرق و مغرب کا ربّ) بھی اپنی شان میں بیان کرتا ہے۔

میرے لیے بھی ایسے مشکل مقامات آئے عروج کے وقت ان صفات کو خیالی معبودوں کی نشاندہی ہوئی۔ تو بے اختیار ان تمام اوصاف سے انکار کر کے صرف ذات خداوندی کا سہارا لیا۔ اور وہ تمام خدشات ختم ہوتے گئے جو سالک کو اوصاف میں ہی رک جانے پر مجبور کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح "لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ" کی صدا لگاتے ہوئے غروب ہونے اور غائب ہونے والے معبودوں سے منہ موڑتا گیا۔ اور واجب الوجود کے سوا کسی کو بھی اپنا قبلہ توجہ نہیں بنایا۔

الحمد للّٰہ الذی ھدانا لھٰذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدٰنا اللّٰہ لقد جاءت رسل ربنا بالحق[1]

---

[1] یہ حضرت مجدد الف ثانی کو راہِ سلوک میں جن مقامات سے گزرنا پڑا وہ ہر سالک کے سامنے آتے ہیں۔ اکثر سالکانِ طریقت جو قرآنِ حکیم کی راہنمائی کے بغیر آگے قدم

حضرت باقی اللہ قدس سرہ کی

۴۵۔ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ سے عقیدت

تربیت گاہ میں ہم چار آدمی ایسے تھے جو تمام میں ممتاز شمار ہوتے تھے اور دوستوں کی نگاہوں میں ہمیں خاص مقام حاصل تھا۔ اپنے شیخ کی نسبت ہر ایک مختلف انداز سے اعتقاد رکھتا تھا اور ہر ایک کا معاملہ بھی جدا جدا تھا۔ میرا یہ عقیدہ تھا کہ اس قسم کی تربیت اور صحبت سید الانبیاء جناب رسالتمآب کے صحابہ کرام کے بعد کسی کو نصیب نہیں ہوئی میں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکریہ ادا کیا کرتا تھا اور دل میں یقین کرتا تھا کہ اگرچہ مجھے سرکار دو عالم کی مجالس اور صحبت کا شرف حاصل نہیں ہو سکا تاہم مجھے اس شرف اور صحبت سے محرومی نہیں رہی۔ میرے شیخ (حضرت خواجہ باقی باللہ) میرے تین ساتھیوں کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ فلاں آدمی مجھے "صاحب تکمیل" تو سمجھتا ہے مگر "صاحب ارشاد" نہیں سمجھتا۔ اس کے نزدیک ارشاد کا مقام تکمیل سے بلند تر ہے پھر فرماتے فلاں آدمی ہمارے سلوک سے محروم ہے اور اسے رسائی نہیں ہے تیسرے کے متعلق فرمایا کرتے کہ وہ شخص تو ہماری نسبت سے انکاری ہے۔ چنانچہ ہماری طرف سے بھی ان چاروں کو انکے اعتقاد اور عقیدت کے مطابق ہی حصہ ملا ہے۔[۲]

سابقہ صفحہ سے :۔ بڑھاتے ہیں ان مقامات پر رک جاتے ہیں۔ اور ان خدشات کا شکار ہو جاتے ہیں جن کا ذکر حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فرمایا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی کے یہ تجربات ہر سالک کی راہنمائی کرتے ہیں خصوصاً سلسلہ مجددیہ کے سالکان طریقت اس روشنی میں آگے بڑھتے جاتے ہیں اور انکی کامیابی اور رسائی کی منزلیں طے ہوتی جاتی ہیں۔ ؎ کہ بجرم می برند قافلہا

۲؎ :۔ حضرت مجدد الف ثانی نے راہ سلوک کی اس منزل میں تربیت پانے والے حضرات کے اسمائے گرامی کو اخفا میں رکھا ہے اور ہم ان معاصرین کے حالات و مقامات کو معلوم نہیں

اپنے شیخ کی محبّت میں مبالغہ

مرید اپنے شیخ اور پیر کی افضلیت کا قائل ہوتا ہے اس کے اکمل ہونے پر اسے پختہ یقین ہوتا ہے۔ اسے اس عقیدت اور محبّت کے ثمرات اور اچھے نتائج بھی حاصل ہوتے ہیں۔ اس سے افادہ اور استفادہ دونوں چیزیں میسر ہوتی ہیں۔ لیکن یہ خیال رہے کہ ایک مرید کو اس حد تک مبالغہ نہیں کرنا چاہیے کہ اپنے پیر کو ان حضرات پر بھی فضیلت دیتا رہے۔ جنکی بزرگی اور عظمت شریعت میں واضح ہے۔ یہ بات محبت میں افراط کا باعث بنتی ہے اور افراط بھی ایسے مذموم ہے جس طرح کسی خاص صاحب کمال کی تفریط (سُبکی) ہوتی ہے۔ شعیہ حضرات کی سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ وہ اہلبیت کی محبت میں غلو کرتے ہوئے صحابہ رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مراتب اور مقامات کو نظر انداز کر جاتے ہیں اسی طرح نصاریٰ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افراطِ محبّت کے جذبے میں آپ کو خدا کا بیٹا بنا جاتے ہیں اس طرح کے نظریات والے ابدی خسارے سے دوچار ہوتے ہیں ہاں ان حضرات کے علاوہ اگر کسی بزرگ کو شرعی طور بلند مقام حاصل نہیں ہے تو اپنے پیر کی فضیلت بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ہم ایسے حضرات کو طریقت میں بہترین عقیدت کیش تصوّر کرتے ہیں۔ ایسی فضیلت مرید کے اپنے بس کی بھی بات

کر سکے کہ مستقبل میں وہ کن کن سعادتوں سے بہرہ ور ہوئے حضرت مجدّد کے سوانح نگاروں نے بھی ان حضرات کے ناموں کی نشاندہی نہیں کی۔ ہاں بعض حضرات مجدّدیہ نے اندازاً بعض حضرات کی طرف اشارے کیے ہیں۔ مگر ہم ان تفصیلات میں جانا نہیں چاہتے مگر خود حضرت مجدّد رضی اللہ عنہ کا نکتہ نظر اتنا پاکیزہ اور پختہ ہے جو سالک کو شیخ کی راہنمائی کرنے میں مدد دیتا ہے اور شیخ کی توجہات کاملہ اسی صورت میں راہنمائی فرماتی ہیں، جب سالک اپنی اعتقادی حیثیت کو ثابت کرے۔

نہیں ہوتی۔ اگر مرید صاحب استعداد ہے تو اسے بے اختیار اپنے شیخ کی فضیلت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے وہ اسی جذبہ سے کمالات کی منزلیں طے کرتا جاتا ہے اگر ایسی فضیلت ایک مرید بلاوجہ قائم کرے یا بلا دلیل عظمت بیان کرتا جائے تو اسپر صداقت منتبہہ ہو جائے گی اور اسے اس تکلّف پر وہ ثمرات نہیں ملیں گے جس میں اس کا حصّہ ہے۔ اس سلسلہ میں کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔

۴۷۔ نفی اور اثبات کیا ہے؟

کلمہ طیبہ لاالہ الا اللہ نفی و اثبات کا ایک بلند ترین مقام ہے۔ عقل و نظر کشف و مشاہدہ میں جو کچھ حاصل ہوتا ہے۔ وہ محض بے کیف ہو کر رہ جاتا ہے جب تک لا (یعنی نفی) کے تحت داخل نہ کیا جائے اثبات کی جانب اللہ کو قلب کی موافقت سے آگے پڑھا جاتا ہے اور اسی مقام کو نفی و اثبات کہا جاتا ہے۔[1]

عنقا شکار کس نشود دام باز چنیں!

---

[1]: حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ السامی نے نفی و اثبات کے مقام کو نہایت آسان پیرائے میں بیان فرمادیا ہے جس سے سلسلۂ مجدّدیہ کے مشائخ اپنے مریدوں کی راہنمائی فرماتے رہے ہیں۔ اصطلاح صوفیہ میں ہے کہ توحید کی دو جہتیں ہیں۔ نفی اور اثبات۔ کلمۂ طیبہ انہی نفی و اثبات سے مرکب ہے۔ ذات باری تعالیٰ ان صفات سے منزہ ہے جو اس کی شان کے شایاں نہیں ہیں۔ اور ان اوصاف ناقصہ کی نفی (لا) میں کی جاتی ہے چونکہ وہ اپنی ذات سے کامل ہے اپنی صفات سے متکمل ہے۔ اس کی شان انہی اسمائے حسنہ سے بیان کی جا سکتی ہے جن کو اس نے خود بیان فرمایا ہے اور اسی کو اثبات کہا جاتا ہے۔ ان اسمائے حسنہ کے علاوہ کروڑوں تعریفیں کرتے رہیں اللہ کے کمال کا اظہار نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ ہم اسی نفی اثبات کے اعتراف پر کاربند ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی ذات کو نہ نفی کی محتاجی ہے نہ اثبات سے مفاد ہے وہ ان دونوں سے منزہ اور ماورای ہے۔

۴۸۔ حقیقتِ قرآنی۔ حقیقتِ کعبہ اور حقیقتِ محمدی

ہمارے نزدیک حقیقتِ قرآنی اور حقیقت کعبہ

کے درجات حقیقت محمدی سے بلند تر ہیں دوسرے لفظوں میں حقیقت قرآنی حقیقت محمدی کی امام ہے۔ اسی طرح حقیقت کعبہ ربانی کا درجہ حقیقت قرآنی سے اوپر ہے۔ جس طرح حقیقت قرآنی حقیقت محمدی کی مسجود ہے۔ اسی طرح حقیقت قرآنی حقیقت ربانی کے زیرِ سایہ ہے۔ حقیقت کعبۂ ربانی ایک ایسا مقام ہے جہاں بالکل بے صفتی اور بے رنگی کی کیفیت ہوتی ہے۔ اس مقام پر شیونات اور اعتبارات کی کوئی گنجائش نہیں اس بارگاہ میں تقدیس و تنزیہ کی بھی کوئی مجال نہیں ہے۔

آنجا ہمہ آنست کہ برتر ز بیان ست

یہ وہ مقام ہے جس پر اہل اللہ نے خاموشی ہی اختیار فرمائی ہے یہ ایسی معرفت ہے جس پر اہل اللہ نے لب کشائی کرنے سے اجتناب کیا ہے۔ اشارۃً کنایۃً میں بھی اس پر اظہارِ خیال نہیں کیا یہ ایک نہایت نازک اور مشکل مقام ہے مجھے اللہ تعالیٰ نے جب اپنی معرفت عظمیٰ سے سرفراز فرمایا اور اپنے احباب میں سے ممتاز مقام ملا۔ تو مجھ پر ان مقامات کے حقائق واضح ہو گئے اب میں ارباب معنی کے لیے چند اشارات پر اکتفا کرنا مناسب خیال کرتا ہوں [1]

---

[1] :۔ سابقہ صفحہ سے :۔ سالکان طریقت نے نفی و اثبات کے مقام سے روحانی منازل طے کرنے میں بڑا حصّہ لیا ہے اور انہیں حزب الٰہی کی نعمتیں عطا ہوتی ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جس سے کسی سالک کو قائم ہوئے بغیر چارہ نہیں۔ (فاروقی)

حقیقت محمدی کی حقیقت کعبہ تک رسائی

یہ بات ذہن نشین کر لیں۔ جس طرح کعبہ کی ظاہری صورت چیزوں کی صورتوں کی مسجود ہے (ہر مخلوق کعبۃ اللہ کو سجدہ کرتی ہے) اسی طرح تمام اشیاء کے حقائق بھی حقیقت کعبہ کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ کعبۃ اللہ مسجود خلائق بھی ہے اور مسجود حقائق بھی میں یہاں ایسا نکتہ بیان کرنا چاہتا ہوں جو آج تک نہ آپ کی نظروں سے گزرا ہوگا اور نہ پہلے بزرگوں نے اسے بیان فرمایا ہے۔ یہ نکتہ اللہ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے بتایا ہے اور اس کا خصوصی الہام مجھ پر ہی عنایت ہوا ہے ایک ہزار سے کچھ سال زیادہ گزر گئے ہیں ــ حضور سید الانبیاء کی رحلت ہوئی آج وہ وقت آگیا ہے جب حقیقت محمدی عروج کر کے حقیقت کعبہ تک رسائی کر رہی ہے آج حقیقت محمدی اپنے عروج سے حقیقت کعبہ میں متحد ہو گئی ہے۔ آج سے حقیقت محمدی کا دوسرا نام حقیقت احمدی ہوگا اور ذات احمد کا مظہر بن جائے گا۔ یہ دونوں مبارک نام (محمد ۔ احمد) حقیقت محمدی اور حقیقت کعبہ میں یکجا ہو جائیں گے۔ حقیقت محمدی کا پہلا مقام خالی ہو جائے گا اور یہ مقام اس وقت تک خالی رہے گا۔ جب تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے اور نزول فرمانے کے بعد شریعت محمدی کے مطابق عمل کریں گے اس وقت حقیقت عیسوی عروج کر کے حقیقت محمدی کی

سابقہ صفحہ سے :۔

جگہ کے خلا کو پر کرے گی۔

لہ : ۔ حضرت مجدد الف ثانی کے مقام سلوک کا اندازہ صرف اسی ایک لطیف نکتہ سے لگایا جا سکتا ہے ۔ آپ نے حقیقت محمدی حقیقت کعبہ اور حقیقت عیسوی کے بلند مراتب و مقامات کی نشاندہی کی ہے ۔ حقیقت انسانی کی اصل حقیقت محمدی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کا پہلا القاء حقیقت محمدی پر ہی ہوا تھا ۔ اول ما خلق اللہ نوری (سب سے پہلے میرا نور تخلیق کیا گیا) "میں اس وقت بنی تھا جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ تمام مخلوقات سے اسبق اور تمام موجودات سے اول آپ کی ہی ذات تھی آپ ہی مخلوق اول اور بلحاظ ظہور آخر تھے ۔ آپ ہی خلق اول ۔ یقین اول ۔ برزخ کبریٰ ۔ رابطہ بین الظہور والبطون ہیں ۔ آپ اللہ کا وہ نور ہیں جو سب سے پہلے چمکا اور آپ کے انوار سے مخلوقات کا ظہور ہوا تھا ۔ آپ خلاصہ موجودات ہیں ۔ آپ جان عالم ہیں ۔ آپ اسمائے الہیہ کا اجمال ہیں ۔ آپ ذاتِ خداوندی کا مظہر ہیں آپ ہی "عقل اول" ہیں آپ ہی "نور نبوت" ہیں آپ ہی حقیقت آدم ہیں آپ ہی اصل انبیاء ہیں ۔ جس طرح آدم علیہ السلام پر تخلیق کائنات ہوئی، اسی طرح آپ کی آمد پر تکمیل انسانی ہوئی ۔ نور مصطفیٰ ہی عقل اول ہے ۔ قلم اول ہے ۔ مخلوقات کے تمام ظاہری و باطنی حقائق آپ کے نور میں پوشیدہ ہیں ۔ اسی نور سے چاند سورج روشن ہوئے ۔ اسی نور سے عرش و کرسی ہے ۔ اسی نور سے آسمانوں کے تاروں میں روشنی آئی اسی نور سے زمینوں کو جان ملی ۔ یہی نور ربانی قلب آدم میں جلوہ گر ہوا اور یہی امانت نور آمنہ کی گود میں درخشاں ہوا ۔ یہی نور صورت محمدی ہے اور یہی نور حقیقت محمدی کہلایا ۔

لباس بوالبشر پوشیدہ سجود ملک گشتم ! ۔۔۔ بہ تصویر محمد حامد و محمود بودستم !

گہے ادریس گاہے شیث گاہے نوح گاہ یونس ۔۔۔ گہے یوسف گہے یعقوب گاہے ہود بودستم

گہے صالح گہ ابراہیم گہ اسحٰق گاہ یحییٰ ۔۔۔ گہے عیسیٰ گہے موسیٰ گہے داؤد بودستم

بدائے میکشاں امروز لقد وقت شان گشتم ۔۔۔ نہ دیگراں روز جزا موعود بودستم !

۴۹۔ کلمہ طیبّہ کی فضیلت

اگر کلمہ طیبّہ نہ ہوتا تو ہمیں بارگاہِ خداوندی کی کی طرف راستہ نہ ملتا توحید کے چہرے سے نقاب نہ اٹھتی۔ جنتوں کے دروازے کون کھولتا۔ صفات بشیر کے بلند و بالا پہاڑ اسی "لا" کے تیشہ سے ہی کھودے گئے تعلقات کے بے شمار جہان اسی لا کی نفی سے دور ہٹتے گئے۔ اسی کلمہ طیبّہ کا ایک جزو "لا" نفی معبودان باطل کے ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے۔ اسی کلمہ کا ایک جزو اثبات ذاتِ خداوندی تک رسائی کی راہیں کھولتا ہے۔ سالک اسی کلمہ کی مدد سے امکانی درجات کو قطع کرتا ہوا ترقی پاتا ہے۔ عارف اسی کلمہ کی برکات سے معراج کمال پر پرواز کرتا جاتا ہے۔ یہی کلام ہے جو انسان کو تجلّیات افعال سے تجلیات صفات تک پہنچاتا ہے۔ پھر تجلّیات صفات سے تجلّیات ذات تک راہنمائی کرتا ہے۔

تا بجاروب لا نروبی راہ ۔۔۔ نرسی در سرائے الاّ اللہ

والسلام علی من اتبع الھدی والتزم مقابعۃ المصطفیٰ علیہ وعلی آلہٖ و اصحابہ صلوات والتسلیمات

سابقہ صفحہ سے :۔ بدائے یا حقیقت

حقیقت محمدی کی جلوہ گری کہاں بیان کی جائے۔ حقیقت محمدی پر مختلف سلاسل کے صوفیاء نے اظہارِ خیال فرما کر دل و دماغ کو درخشاں کیا ہے مگر حقیقت کعبہ کی اصطلاح کی تشریح حرف حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے فرمائی ہے اور حضرات مجددیہ نے اس پر بڑے لطیف اقوال بیان کیے ہیں۔ کعبہ سجود مصطفیٰ ہے حقیقت محمدی کا عروج حقیقت کعبہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں جسے بیان کرنے کے لیے دفتر درکار ہیں اور سننے کے لیے دلوں کے سمندروں کی وسعتیں بھی تنگ ہیں۔

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
تابدو گویم حدیثِ اشتیاق !

(فاروقی)

۵۰۔ معوذتین پر ایک کشف

حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمہ اللہ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ

معوذتین (قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب النّاس) کو فرض نمازوں میں نہیں پڑھنا چاہیے۔ کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں سورتوں کے قرآن کا حصّہ ہونے میں جمہور کے مخالف ہیں۔ لہٰذا نماز میں جتنی قرأت فرض ہے اُس میں اِن دونوں صورتوں کی قرأت کو شمار نہیں کرنا چاہیے۔ ہم بھی ان دونوں سورتوں کو نماز میں نہیں پڑھا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دن کارکنانِ قضا و قدر نے ہم پر کشفاً ظاہر کیا کہ گویا معوذتین حاضر ہیں اور حضرت مخدوم سے فرض قرأت میں اُن کی قرأت سے منع کر دینے کے بارے میں شکایت کر رہے ہیں کہ ہمیں قرآن سے کیوں نکال دیا گیا ہے۔ اس وقت سے ہم اس ممانعت سے باز آئے اور فرض قرأت میں ان کی قرأت شروع کی۔ ہر مرتبہ جب ہم اِن دونوں سورتوں کو فرض فر... پڑھتے ہیں تو عجیب کیفیت کا مشاہدہ ہوتا ہے اور سچ یہی ہے کہ جب علم شریعت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے تو ان دونوں سورتوں کو فرض قرأت میں پڑھنے سے روکنے کی کوئی وجہ سامنے نہیں آتی۔ بلکہ یہ تو اُس اجماعی حکم کی قطعیت میں ہے کہ "جو کچھ دفتین کے درمیان موجود ہے وہ سب قرآن ہے۔" ایک طرح سے شبہ ڈالنا ہے اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی یاد رہے کہ (سورۂ فاتحہ کے بعد نماز میں) کسی سورت کو ملانا فرض نہیں ہے، بلکہ واجبات میں سے ہے، جو بہرحال ظنّی ہے۔ پھر ان دو سورتوں کی قرأت سے منع کرنا اگرچہ ان کا قرآن میں ہونا ظنّی بھی کیوں نہ ہو۔ یعنی فرض محال (کیونکہ حقیقت تو یہی ہے کہ یہ دونوں سورتیں ظنّی نہیں ہیں) پھر بھی اس کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ ان کی قرأت تو اسی طرح کی جاتی ہے جس طرح سورۂ فاتحہ

فاتحہ کے ساتھ ان کو ملاتے ہیں (اور قرأت کا فریضہ تو سورۂ فاتحہ سے ادا ہو چکا ہے پس سورت کا ملانا بھی ظنی ہی ہوا۔)

وَالعَجَبُ مِنَ الشَّیخِ المُقتَدیٰ مِثلُ ھٰذَا الکَلَامِ کُلَّ العَجَبِ۔
وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ سَیِّدِ البَشَرِ وَآلِہِ الاَطھَرُ۔

لہٰذا بہت ہی تعجب ہے کہ ایک شیخ مقتدا سے ایسی بات کیونکر ادا ہوئی اور درود و سلام ہو حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کی آلِ اطہر ہے۔

۵۱۔ تقلید و اتباع کی اہمیت

صوفیہ کرام کے طریق سے ملتِ اسلام سے بڑا حصہ اسی شخص کے لیے ہے جس میں تقلید کی عادت اور پیروی سب سے زیادہ ہو۔ شریعت کا دارومدار تو صرف تقلید پر ہے اور اس مقام میں معاملے کا انحصار محض پیروی رسول پر ہے۔ انبیا علیہم الصلوات والتسلیمات کی تقلید بلند ترین درجوں تک پہنچا دیتی ہے اور اصفیا کی پیروی بڑے بڑے مقامات تک لے جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں چونکہ یہ عادت سب سے زیادہ پائی جاتی تھی۔ آپ نے بے توقف تصدیقِ نبوت کی سعادت میں سبقت فرمائی تھی اور صدیقوں کے رئیس بنے۔ اور

---

[۱] حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ ۲۵ھ میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی غرض سے دہلی تشریف لائے لیکن اس وقت حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا وصال ہو چکا تھا اس لیے شیخ نجیب الدین فردوسی کے مرید ہو گئے پھر بہار تشریف لے آئے۔ عرصہ دراز تک ریاضت و عبادت میں مشغول رہ کر ۷۸۲ھ میں وصال فرمایا، آپ کے ملفوظات مکتوبات گنجینہ متعارف حقائق ہیں۔

ابوجہل لعین چونکہ تقلید اور پیروی کی استعداد سے ناآشنا تھا لہٰذا اس سعادت سے محروم رہا اور ملعونوں کا پیشوا بنا۔

یاد رہے مرید جس کمال کو بھی حاصل کرتا ہے وہ اپنے پیر کی تقلید ہی سے حاصل کرتا ہے۔ یہ شیخ کی غلطی بھی مرید کے صواب اور نیکی سے بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت پیغمبر علیہ السلام کے سہو و نسیاں کی آرزو کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ سَہْوَ مُحَمَّدٍ (کاش میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سہو ہی بن جاتا) اور حضرت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ سِیْنُ بِلَالٍ عِنْدَ اللّٰہِ شِیْنٌ (بلالؓ کا سین خدائے تعالیٰ کے نزدیک شین ہے) چونکہ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ عجمی (حبشی) تھے اس لیے وہ اذان میں سین بے نقطہ کے ساتھ اَسْھَدُ کہا کرتے تھے اور خدائے عز و جل و علا کے نزدیک اُن کا اُسھد کہنا اشھد ہی تھا لہٰذا حضرت بلال کی یہ غلطی دوسروں کے صواب سے بہتر ہوگی۔ ع

بر اَشْھَدِ تو خندہ زند اَسْھَدِ بلال

ترجمہ: تیرے اشھد پہ بلال کا اسھد خندہ زنی کرتا ہے۔

میں نے ایک بزرگ سے سنا ہے وہ کہا کرتے تھے کہ بعض دعائیں جو مشائخ سے منقول ہیں اگر اتفاقاً ان مشائخ نے ان میں بعض دعاؤں میں کوئی غلطی بھی کر دی ہے اور اسے محرّف کر کے (بگاڑ کر) پڑھ دیا ہے تو اگر اُن کے پیروکار، اِن دعاؤں کو اسی تحریف کے ساتھ پڑھتے ہیں جس کے ساتھ اُن کے مشائخ نے پڑھ دیا تھا تو وہ دعائیں کامل تاثیر بخشتی ہیں اور اگر انھیں درست کر کے پڑھتے ہیں تو وہ تاثیر سے خالی رہ جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے انبیاء

کی تقلید اور اپنے اولیاء کی پیروی پر اپنے حبیب علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین وعلیٰ متابعیہم الصلوات والتسلیمات کی عظمت وحرمت کے طفیل ثابت قدم رکھے۔

۵۲۔ تجلیٔ ذات اور انبیاء کے درجات کا تفاوت

حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام رسولوں کے سردار (سیّد المرسلین) ہیں۔ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات۔ باقی تمام انسانوں کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام وموسیٰ علیہ السلام الصلوات والتسلیمات والتحیات کو، اگرچہ تجلیٔ ذات کے مقام سے بڑا مرتبہ اور استعداد حاصل ہے اور حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ اِصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ (اور میں نے تمہیں اپنے نفس کے لیے منتخب فرمالیا ہے) یعنی اپنی ذات کے لیے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو "روح اللہ" اور کلمۃ اللہ ہیں اور ان کو حضور سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بڑی زیادہ مناسبت ہے لیکن حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام باوجودیکہ تجلیٔ صفات کے مقام پر ہیں، لیکن بڑے تیز نظر ہیں، وہی خاص شان جو ہمارے پیغمبر کو تجلیٔ ذات کے مقام پر نصیب ہوئی ہے۔ اس کے باوجود دونوں میں استعداد کا تفاوت ہے لہٰذا اس اعتبار سے حضرت عیسیٰ اور موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہو جاتے ہیں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے افضل ہیں اور ان کا رتبہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے اوپر ہے وہ تیز بصر اور ناقد نظر ہیں۔ ان کے بعد حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور حضرت نوح (علیہ السلام) کا مقام اگرچہ صفات کے مقام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بہت اونچا ہے لیکن حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو اس مقام میں ایک خاص شان اور

تیزیٔ نظر حاصل ہے جو کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہے، لیکن ان کی اولاد کرام کو بھی اس مقام میں بوجہ پیروی کرنے اور اولاد ہونے کے حصّہ ملا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کا درجہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ہے۔ ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور تمام انبیاء (علیہم السلام) پر درود اور سلام ہوں۔ یہ ان معلومات میں سے ہے جو مجھے رب نے سکھائی ہیں اور جن کا اس نے مجھ پر اپنے فضل وکرم سے الہام فرمایا ہے۔ اور پورا علم تو اللہ سبحانہ کے پاس ہی ہے۔

۵۳۔ سیرِ اجمالی کا درجہ سیرِ تفصیلی سے بلند ہے

جس سالک کی سیر اسماء و صفات کی تفصیل میں واقع ہو گئی۔ کیونکہ اسماء وصفات کی تو کوئی انتہاء ہی نہیں کہ ان کو طے کرنے کے بعد سالک منتہائے مقصود تک پہنچ سکے۔ مشائخ نے اسی مقام کے متعلق بتایا ہے کہ مراتبِ وصول کی کوئی انتہا نہیں ہے کیونکہ اس محبوب کے کمالات لامتناہی ہیں اور اس جگہ وصول سے مراد وصل اسمائی و صفاتی ہی ہے۔ سعادت مند وہی سالک ہے جس کی سیر اسماء وصفات میں اجمالی طریقہ پر واقع ہو اور وہ تیزی کے ساتھ بارگاہِ ذات تعالیٰ وتقدس میں واصل ہو جائے۔

کیا وصولِ نہایت کے بعد رجوع لازم ہے۔

واصلانِ ذات کو آخری نقطہ وصول، (یعنی نہایت النہایت) تک پہنچنے کے بعد دعوت وارشاد کے ساتھ واپس آنا لازمی ہوتا ہے۔ اس مقام سے نہ لوٹنے کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ان متوسط حضرات کے برخلاف ہے جنہیں اپنی استعداد کی انتہا تک پہنچ جانے

کے بعد واپس آنا لازمی نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ واپس آجائیں اور (یہ بھی) ہو سکتا ہے کہ وہ وہیں قیام کرنا قبول کر لیں۔ لہٰذا منتہی حضرات کے وصول کے مراتب کے لیے تو تکمیل و اتمام کا تصور کیا جا سکتا ہے بلکہ لازم ہے لیکن متوسط درجے کے حضرات کے لیے جو اسمائی اور صفاتی تفصیل میں چلے گئے ہیں (وصول کے مراتب کی) کوئی انتہا نہیں ہے (کہ وہاں پہنچ کر وہ تکمیل حاصل کر سکیں) یہ علم ان مخصوص علوم میں سے ہے جو خاص اس فقیر (مجدد الف ثانیؒ) کو عطا ہوئے ہیں اور صحیح علم تو اللہ سبحانہ کے پاس ہی ہے۔

۵۴۔ مقامِ رضا

مقامِ رضا۔ تمام مقامات ولایت سے اوپر ہے اور اس بلند مقام کا حصول سلوک اور جذبہ کی تکمیل کے بعد ہوتا ہے۔

سوال :۔ اگر لوگ دریافت کریں کہ ذاتِ حق سبحانہ اور صفاتِ حق تعالیٰ اور افعال حق سبحانہ سے رضا تو واجب ہے اور خود ایمان ہی میں ملحوظ ہے لہٰذا عام مسلمانوں کو بھی اس سے چارہ نہیں ہے تو سلوک بھی جذبہ کی تکمیل کے بعد اس کا حاصل ہونا کیا معنی رکھتا ہے ؟

جواب :۔ اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ رضا کی ایک خاص صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت ہوتی ہے۔ اسی طرح جیسا کہ باقی ارکانِ ایمان کی صورت اور حقیقت ہوا کرتی ہے۔ ابتدائی حالات میں صورت کا تحقق ہوتا ہے۔ اور انتہا میں حقیقت کا تحقق ہوتا ہے جب آدمی سے کوئی بات رضا کے خلاف ظاہر نہ ہو تو ظاہر شریعت فیصلہ کر دیتی ہے کہ اس شخص کو رضا حاصل ہے۔ تصدیقِ قلبی کی طرح کہ جب تصدیق کے منافی کوئی بات نہ پائی جائے تو حصولِ تصدیق

کا فیصلہ کر دیتے ہیں لیکن ہم (سالکین و عارفین) جس چیز کے در پے ہیں وہ حقیقتِ رضا کا حصول ہے۔ محض ظاہری صورت کا نہیں اور اللہ سبحانہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

۵۵۔ اتباعِ سنت کی تلقین احتراز از بدعت

کوشش کرنی چاہیے کہ سنت پہ عمل ہو اور بدعت سے بچیں۔ خصوصاً ایسی بدعت سے جو سنت کو ختم کر دینے والی ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ مَنْ اَحْدَثَ فِی دِیْنِنَا هٰذَا فَهُوَ رَدٌّ (یعنی جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات داخل کر دے تو وہ قابلِ رد ہے) ایسے لوگوں کے حال پر تعجب ہوتا ہے جو دین میں نئی نئی چیزیں پیدا کرتے ہیں حالانکہ دین ہر طرح مکمل ہو چکا ہے اور وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے اور جو لوگ نئی چیزوں (محدثات) کے ذریعہ سے تکمیلِ دین کی تلاش کرتے ہیں۔ انہیں یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ خدانخواستہ اس نوایجاد (مخترع) بات کی وجہ سے کہیں سنت کی نفی (ختم) نہ ہو جائے۔ مثلاً عمامہ کا شملہ دونوں بازوؤں کے درمیان چھوڑنا سنت ہے لیکن بہت سے لوگوں نے شملہ کو بائیں طرف چھوڑنا اختیار کر لیا ہے اور اپنے اس عمل سے انہیں مردوں کے ساتھ تشبہ (مشابہت) اختیار کرنا منظور ہوتا ہے اور بے شمار لوگ اس فعل میں ان کی پیروی کر رہے ہیں۔ وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ ان کا یہ عمل سنت کی نفی کر رہا ہے اور سنت سے ہٹا کر انہیں بدعت میں مبتلا کر رہا ہے اور بالآخر حرمت تک پہنچا دیتا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تشبہ (مشابہت) اختیار کرنا بہتر ہے یا مردوں کے ساتھ؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہی تو ہیں جو ایسے

وصال سے مشرف ہو چکے ہیں جو موت سے بھی پہلے ہوتا ہے اگر وہ لوگ مردہ کے ساتھ ہی تشبہ کے متلاشی ہیں تب بھی اِن کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشبہ ہی سزاوار ہو سکتا ہے ۔ یہ عجیب معاملہ ہے کہ میّت کے کفن میں خود عمامہ پہنانا بھی بدعت ہے چہ جائیکہ اس کا شملہ چھوڑا جائے اور بعض علمائے متاخرین نے جو میّت کے کفن میں عمامہ دیتے کو، جبکہ میّت علمائے دین میں سے ہو مستحسن قرار دیا ہے ۔ ہمارے نزدیک تو کفن کی مسنون مقدار بھی زیادتی کرنا نسخ یعنی سنت کو بدلنا ہے اور اصل سنت کو بدلنے کا مطلب سنت کو چھوڑ دینا ہے اللہ سبحانہٗ ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند سنت کی پیروی پر ثابت قدم رکھے ۔ علی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام اور خدائے تعالیٰ اس بندہ پر اپنا رحم فرمائے جو میری اس دُعا پر آمین کہے ۔

۵۶ ۔ سرہند کے بازاروں میں جنات کی آمد !!

ایک دن جنات کے حالات کو اس فقیر پر منکشف فرمایا گیا ۔ میں نے دیکھا کہ جنات گلی کوچوں میں انسانوں کی طرح ہی گھوم پھر رہے ہیں اور ہر جن کے سر پر ایک فرشتہ مقرر ہے اور وہ جن اس مقررہ فرشتہ کے ڈر سے اپنا سر بھی نہیں اُٹھا سکتا ۔ اور اپنے دائیں بائیں دیکھنے کی جرأت نہیں کرتا نفاوہ قیدیوں کی طرح گھوم پھر تو رہے تھے مگر قطعاً کسی مخالفت کی مجال نہیں رکھتے تھے ۔ بجز اس کے کہ میرا پروردگار ہی کسی چیز کو چاہے اور اس وقت میں نے کچھ ایسا دیکھا کہ موکّل (مقررہ فرشتہ) کے ہاتھ میں لوہے کا ایک گرز ہے کہ اگر کوئی جن ذرا سی مخالفت کا خیال بھی کرتا تو ایک ہی ضرب سے اس کا کام تمام کر دیتا ۔

خدائے کہ بالا و پست آفرید ۔۔۔۔ نہ ہمہ دست برزبردست آفرید

۵۷۔ بعض ولیوں کو نبی پر جزئی فضیلت ہوتی ہے!

ولی جو کمال بھی حاصل کرتا ہے اور جس درجہ تک بھی پہنچتا ہے وہ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کے طفیل میں پہنچتا ہے۔ اگر نبی کی متابعت اور پیروی سے ہٹ جائے تو ایمان سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ بلند ترین درجات تک پہنچنا تو بڑی بات ہے۔ لہٰذا اگر ولی کو چند جزئی فضیلتوں میں سے کوئی ایسی فضیلت حاصل ہو جائے جو نبی میں نظر نہیں آتی تھی اور اس ولی کو بلند درجات میں سے کوئی خاص درجہ میسّر ہو بھی جائے جو نبی کو میسّر نہیں تھا پھر بھی یقیناً نبی کو بھی اس جزئی فضیلت اور اس خاص درجہ سے پورا پورا حصّہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ ولی میں اس کمال کا حصول تو اس نبی کی پیروی ہی کے واسطے سے ہے اور یہ سب کچھ اس نبی کی اتباعِ سنت کے نتائج ہی کا ایک حصّہ ہے۔ پس لامحالہ نبی کو اس کمال سے مکمل حصّہ حاصل ہوگا۔ جیسا کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا (جس کسی نے کسی اچھے طریقے کی بنیاد رکھ دی تو اسے خود اس کا ثواب بھی اسے ملتا رہے گا اور تمام لوگوں کے برابر بھی ثواب ملے گا جو اس طریقے پر عمل کریں گے) ایسا ولی اس کمال کے حصول میں پیشرو ہو گا اور اس درجے تک پہنچنے میں مقدم ہوگا۔ اور ولی کی نبی پر اس قسم کی فضیلت حاصل ہونے کو علماء نے جائز قرار دیا ہے کیونکہ یہ جزئی فضیلت ہے جو کلی فضیلت کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ اور وہ جو صاحبِ فصوص الحکم حضرت محی الدین ابنِ عربی نے فرمایا کہ خاتم انبیاء (صلی اللہ

لہ؛ حضرت شیخ محی الدین محمد بن علی ابن عربی قدس سرہ ۱۷ رمضان ۵۶۰ھ اندلس کے مشہور شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے اور ۲۲ ربیع الآخر ۶۳۸ھ میں وفات پائی۔ علوم ظاہری

علیہ وسلم) علوم و معارف کو خاتم الولایت سے حاصل فرماتے ہیں تو وہ بھی اسی معرفت کی بات کہتے ہیں۔ الحمد للہ مجھے بھی اس معرفت کے ساتھ ممتاز فرمایا گیا ہے اور یہ سراسر شریعت کے موافق ہے اور فصوص الحکم کے شارحوں نے اس بات کو صحیح قرار دینے کے لیے تکلف اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ خاتم الولایت دراصل خاتم النبوت کا خزینہ دار اور خزانچی ہوتا ہے۔ اگر بادشاہ خود اپنے خزانہ سے کوئی چیز لیتا ہے تو (ظاہر ہے خزانچی ہی سے لے گا) اس سے بادشاہ کے میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ ہمارے نزدیک (اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے) حقیقت واقعہ وہی ہے جو میں نے تحقیق کر کے بیان کر دیا ہے اور اس تکلف کا منشاء محض یہ ہے کہ وہ لوگ معاملہ کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکے اور اللہ سبحانہ تمام حقائق امور کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے اور درود اور سلام ہو سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آلِ اطہر پر۔

۵۸۔ ولی کی ولایت، نبی کی ولایت ہی کا حصہ ہوتی ہے۔

ولی کی ولایت اپنے نبی علیہ السلام کے اجزائے ولایت کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ ولی کو کتنے ہی بلند ترین درجات نصیب ہو جائیں وہ سب درجات

بقیہ حاشیہ:۔ و باطنی میں کمال حاصل تھا اور فلسفہ اشراقیت کے ماہر تھے۔ آپ نے توحید وجودی کے نظریہ کو پیش کیا جس کی کنہ و حقیقت کو پوری طرح نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے عوام میں کافی الجھنیں پیدا ہو گئیں جن کو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے توحید شہودی کا نظریہ پیش کر کے صاف اور واضح کیا۔ حضرت شیخ کی تصانیف بہت ہیں ان میں فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ مشہور اور اہم ہیں۔

اس نبی کے درجات میں سے ایک جزو ہی ہوں گے۔ جزو کتنی ہی عظمت پیدا کر لے کُل سے کمتر ہی ہوتی ہے کیونکہ اَلْکُلُّ اَعْظَمُ مِنَ الْجُزْءِ (یعنی کُل جز سے بڑا ہوتا ہے) قضیۂ بدیہیہ ہے۔ کوئی احمق ہی ہوگا جو کسی جز کی بڑائی کا خیال کر کے اسے کُل سے زیادہ کہے گا۔ کیونکہ کُل کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ دوسرے اجزاء کے علاوہ اس میں یہ جزو بھی موجود ہے۔

۵۹۔ صفاتِ باری تعالیٰ کی تین قسمیں

صفاتِ واجبی۔ تعالَتْ وَتَقَدَّسَتْ، تین قسم کی ہیں۔ قسم اوّل: صفاتِ اضافیہ ہیں جیسے خالق ہونا، رازق ہونا اور قسم دوم صفاتِ حقیقیہ ہیں، لیکن وہ اپنے اندر اضافت کا ایک رنگ رکھتی ہیں جیسے علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔ اور قسم سوم: حقیقت محض ہے جیسے حیات۔ پس اس میں اضافت کا کوئی امتزاج نہیں ہے اور اضافت سے ہماری مراد، عالم یعنی دنیا کے ساتھ تعلق ہونا ہے اور تیسری قسم تینوں قسموں میں سب سے اعلیٰ اور تمام اقسام کی جامع ترین ہے اور امہاتِ صفات میں سے ہے۔ صفتِ علم اپنی جامعیت کے باوجود صفت حیات کی تابع ہے اور صفات اور شیونات کا یہ دائرہ صفتِ حیات پر ختم ہو جاتا ہے اور مطلوب تک رسائی حاصل کرنے کا دروازہ بھی یہی صفت ہے اور چونکہ صفتِ حیات کا درجہ صفت علم سے اوپر ہے۔ اس لیے لامحالہ اس مقام تک رسائی بھی علم کے مراتب کو طے کر لینے کے بعد ہی ہوگی۔ خواہ وہ علمِ ظاہر ہو یا علم باطن خواہ علم شریعت ہو یا علمِ طریقت اور جو لوگ اس دروازہ میں داخل ہوتے ہیں وہ بہت ہی کم (کم سے بھی کم تر) ہیں۔ گلیوں اور کوچوں کے پیچھے سے لوگ اپنی نگاہیں اندر ڈال لیتے ہیں (خود اندر نہیں پہنچ سکتے) اور ایسے لوگ

بھی بہت ہی کم ہیں اگر میں اس مقام کے اسرار میں سے کوئی راز بھی بیان کردوں تو میری گردن اڑا دی جائے۔ ؎

وَمِنْ بَعْدِ هٰذَا مَا يَدِقُّ صِفَاتُهُ
وَمَا كَتْمُهُ اَحْظٰى لَدَيْهِ وَاَجْمَلُ

اور سلامتی ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو لازم جانے علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام۔

۶۰۔ خدا کا مثل نہیں ہو سکتا اسکی مثال ہو سکتی ہے!

حضرتِ حق سبحانہ وتعالیٰ "مِثل" سے منزّہ ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْئٌ۔ (اس کے مثل جیسی کوئی چیز بھی نہیں ہے)۔ لیکن علماء نے "مثال" اور "مَثَل" کو جائز رکھا ہے وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى۔ (اور اللہ کے لیے تو بلند ترین مثال ہے، یا اللہ کی تو بلند ترین شان ہے) اربابِ سلوک اور اربابِ کشف کو مثال ہی سے تسلّی دیتے ہیں اور خیال سے آرام بخشتے ہیں۔ بے چون کو، چون کی مثال سے ظاہر کرتے ہیں وجوب (ذاتِ واجب) کو امکان کی صورت میں جلوہ گر کرتے ہیں۔ بیچارہ سالک، مثال کو صاحبِ مثال کا عین سمجھ لیتا ہے۔ اور صورت کو صاحبِ صورت کا عین خیال کر لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے احاطہ کی صورت کو تمام چیزوں میں دیکھتا ہے اور اسی احاطہ کی مثال کا تمام دنیا میں مشاہدہ کرتا ہے اور وہ خیال کر لیتا ہے کہ جو چیز نظر آرہی ہے وہ احاطہ حق سبحانہٗ کی حقیقت ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ کا احاطہ تو بے چون اور بیچگون ہے اور اس سے منزہ وپاک ہے کہ وہ نگاہ یا (مشاہدہ) میں آسکے اور کسی پر ظاہر ہو جائے اور ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ حق سبحانہٗ ہر چیز کو محیط ہے

لیکن ہم اُس کے اس احاطہ کو نہیں جانتے کہ وہ کیا ہے؟ اور جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ اُس احاطہ کی شبیہ اور مثال ہے اور حق تعالیٰ کے قریب اور اس کی معیّت کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے کہ جو کچھ مشاہدہ اور کشف میں آتا ہے وہ ان کی شبیہ اور مثال ہیں اُس کی حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ ان تمام باتوں کی حقیقت کی کیفیت نامعلوم ہے۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ حق تعالیٰ قریب ہے اور ہمارے ساتھ ہے لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ حق تعالیٰ کے اس قُرب اور مَعیت کی حقیقت کیا ہے؟ اور بہت ممکن ہے کہ جو کچھ حدیث نبوی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات میں آیا ہے کہ "یَتَجَلّٰی رَبُّنَا ضَاحِکًا" (یعنی پروردگار ہنستے ہوئے تجلّی فرمائیگا) وہ صورتِ مثالی کے اعتبار سے ہو۔ کیونکہ کمالِ رضا و خوشنودی کا حاصل ہونا مثال میں ہنسنے کی صورت میں ہی دکھایا جاتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ ہاتھ، چہرہ، قدم اور انگلی کا اطلاق بھی مثالی صورت کے اعتبار سے ہی ہو۔ میرے پروردگار نے مجھے ایسی ہی تعلیم دی ہے اور خدا اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے مخصوص فرمالیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ اور اللہ کی رحمتیں نازل ہوں ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کی آل پر اور سلامتیاں اور برکتیں بھی نازل ہوں۔

۶۱۔ ایک گزارش

احوال و وجدانات اور علوم و معارف کو بیان کرنے کے سلسلہ میں اگر اس راقم کی عبارت میں کوئی تناقض یا اختلاف معلوم ہو تو اُسے اوقات کے مختلف ہونے اور حالات و کیفیات کے جداگانہ ہونے پر محمول کرنا چاہیے۔ کیونکہ ہر وقت کے احوال اور وجدانات مختلف ہوتے ہیں اور ہر حالت و کیفیت کے علوم و معارف جداگانہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا درحقیقت یہ کوئی تعارض یا اختلاف نہیں ہوتا۔ اس کی مثال احکام شرعیہ کی مثال کی طرح ہے کہ وہ منسوخ اور

تبدیل ہونے کے بعد متضاد احکام نظر آتے ہیں لیکن جب اوقات اور حالات کے اختلاف کو نظر میں رکھا جاتا ہے تو وہ تناقض اور اختلاف دور ہو جاتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ سبحانہ کی بڑی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں ۔ لہٰذا تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو اور اللہ تعالیٰ رحمتیں نازل فرمائے ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر اور سلام اور برکتیں بھی نازل فرمائے ۔

تمت بالخیر

گزارش مرتّب کتاب

مبداء و معاد ــــ عجیب و غریب اور بلند نکات کا جامع ہے بندہ ضعیف محمد صدیق بدخشی الکشمی الملقب بالھدایۃ کہتا ہے کہ مجھے ان معارف عالیہ شریفہ کی تحریر ہے جس کا نام "المبدأ والمعاد" ہے اواخر ماہ رمضان المبارک میں اعتکاف کے وقت سنہ ایک ہزار انیس (۱۰۱۹ھ) میں فراغت حاصل ہوئی ۔

رُباعی

این نسخہ کہ مبدأ و معاد است بنام ۔۔۔ زانفاس نفیس حضرت فخرِ اکرام
چوں کرد ہدایت اقتباس از سرِ صدق ۔۔۔ در سال ہزار و نوزدہ گشت تمام

(یعنی یہ نسخہ جس کا نام مبدأ و معاد ہے ۔ حضرت فخرِ اکرام (مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) کے فرمودات کا شاندار مرقع ہے ۔ جب ہدایت (لقبِ جامع) نے اسے صدق و

صفا کی راہ سے اقتباس کیا تو وہ سن ایک ہزار اور انیس میں مکمل ہو گیا۔)

صدیق ہدایت کہ شدش چرخ بکام — ما ناکہ ز صدق شد ہدایت فرجام

زیں خود چہ عجب ولیک تحقیق ایں ست — کز جوش شراب احمدی یافتہ جام

(یعنی : صدیق ہدایت کہ تقدیر بھی جس کی ہمنوا تھی ، . وہ سچائی کی وجہ سے ہدایت خوش بخت ہو گیا۔ اور یہ خود کتنی عجیب بات ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ شراب احمدی (حضرت مجدد الف ثانی) کے جوش سے مجھے ایک جام حاصل ہوا ہے)